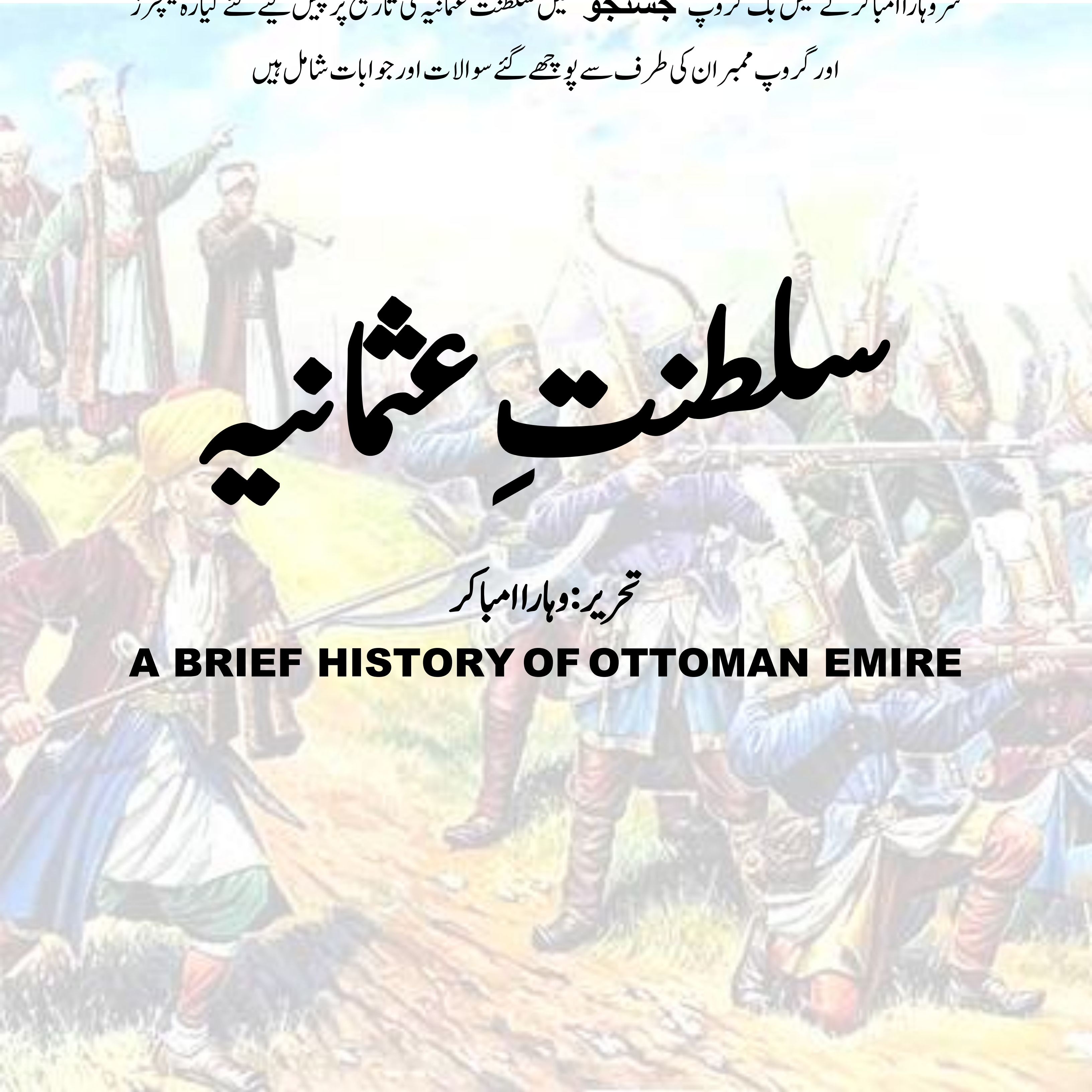

سر وہارا امباکر کے فیس بک گروپ **جستجو** میں سلطنت عثمانیہ کی تاریخ پر پیش کیے گئے گیارہ لیکچرز

اور گروپ ممبران کی طرف سے پوچھے گئے سوالات اور جوابات شامل ہیں

سلطنتِ عثمانیہ

تحریر: وہارا امباکر

A BRIEF HISTORY OF OTTOMAN EMIRE

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	عثمان کا خواب۔ سلطنتِ عثمانیہ	3
2	ابتدا سے خلافت تک۔ سلطنتِ عثمانیہ	8
3	سلیمان عالیشان۔ سلطنتِ عثمانیہ	13
4	پگڑی سے تُرکی ٹوپی تک۔ سلطنتِ عثمانیہ	15
5	شناخت کا بحران۔ سلطنتِ عثمانیہ	19
6	اسلامی خلافت۔ سلطنتِ عثمانیہ	21
7	جب سورج ڈھلا۔ سلطنتِ عثمانیہ	30
8	جنگِ عظیم۔ سلطنتِ عثمانیہ	33
9	شکست۔ سلطنتِ عثمانیہ	35
10	ترکی کا جنم۔ سلطنتِ عثمانیہ	42
11	پاکستان اور ترکی۔ سلطنتِ عثمانیہ	47

نوٹ: بعض سوالات کے جوابات سر وہارا امبا کر کی بجائے دوسرے ممبران نے بھی دیے وہ جوابات ان کے نام کے ساتھ موجود ہیں جن جوابات پر نام نہیں ہو گا وہ سارے جوابات سر وہارا امبا کر کے ہوں گے۔ بعض پوسٹوں پر سوالات ایک سیریز کی صوارت میں ہیں ان سوالات پر بھی سوال کرنے والے کا نام موجود ہے تا کہ سوالات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ معیار کو مزید بہتر بنانے کے لیے کوئی تجویز ہو تو گروپ میں ضرور شئیر کریں۔ شکریہ

1- عثمان کا خواب۔ سلطنتِ عثمانیہ

اس سلطنت کا آخری روز 29 اکتوبر 1923 تھا۔ اس روز مصطفیٰ کمال اتاترک ترکی کی ری پبلک کے صدر بنے تھے۔ ترکی کے ری پبلکن عثمانی سلطان کو یکم نومبر 1922 کو معزول کر چکے تھے۔ ان کا کردار خلیفہ تک محدود ہو گیا تھا اور 3 مارچ 1924 کو یہ ٹائٹل بھی ان سے لے لیا گیا۔

مصطفیٰ کمال نے اکتوبر 1927 کو چھ روز تک پارلیمنٹ میں لمبی تقریر کی۔ یہ ترکی کی تاریخ میں اس قدر مشہور ہے کہ اس کو ترکی زبان میں صرف "تقریر" ہی کہا جاتا ہے۔ اس میں بتایا کہ ان کی جنریشن کیوں اس فرسودہ ماضی کو مسترد کر چکی ہے۔ ان کے ابتدائی برس اصطلاحات کی سیریز کے تھے۔ جو ترکی کو جدید دنیا میں لانے کے لئے اقدامات تھے۔

حال میں ترکوں نے اپنی تاریخ کو از سرِ نو دیکھنا شروع کیا ہے کہ یہ محض ایک سلطنت کا عروج و زوال نہیں تھا۔ یہ سلطنت سولہویں صدی میں اپنے عروج میں روم کی قدیم سلطنت جیسی شان و شوکت والی تھی۔ طویل عروج کے بعد اپنی کچھ بنیادی کمزوریوں کی وجہ سے پیچھے رہ گئی۔ صدیوں تک اس کی فوجیں دنیا میں دہشت کا نشان رہیں۔ نہ صرف یورپی افواج کے لئے بلکہ مشرق میں ایران اور دوسری اسلامی ریاستوں کے لئے بھی۔ عثمانی آرکیٹکچر استنبول اور دوسرے شہروں میں منفرد اور نمایاں رہا۔ عظیم مساجد تعمیر ہوئیں۔ سلطنت کا نظامِ انصاف نسلی تنوع کی پیچیدگیوں میں توازن رکھتا رہا۔ بڑے سکیل پر انتظامی اور مالیاتی امور نبھائے گئے۔ مورخین اس کو مردِ بیمار کہتے ہیں لیکن یہ بیماری ایک لمبی زندگی کا آخری وقت تھا۔

ترکی میں جب ملک بننے کی 75ویں سالگرہ 1998 کو منائی گئی تو ساتھ ہی اعلان کیا گیا کہ 1999 میں عثمانی سلطنت کی 700ویں سالگرہ منائی جائے گی۔ لیکن 1299 میں کیا ہوا تھا؟ نہ کوئی مشہور جنگ، نہ کوئی اعلانِ آزادی، نہ کوئی حملہ۔ اتفاقاً یہ سال 699 ہجری تھا۔ اسلامی کیلنڈر اور جارجین کیلنڈر میں نئی صدی اکٹھی شروع ہو رہی تھی۔ اس برس کو ایسی سلطنت کے نقطہ آغاز کے لئے چنا گیا جس نے یورپ اور مشرقِ وسطیٰ تک کے علاقے پر حکومت کی تھی۔

اس کا اختتام تو واضح ہے۔ اس کے آغاز کے بارے میں بہت کچھ واضح نہیں۔

روایت کے مطابق اس سلطنت کے پہلے سلطان عثمان نے ایک خواب دیکھا تھا۔ جس میں ایک درخت پیٹ سے نکل کر دنیا کا سایہ کئے ہوئے تھا۔ اس سائے کے نیچے پہاڑ تھے اور اس میں سے نہریں بہہ رہی تھیں، جن سے لوگ پانی پیتے تھے اور کھیتوں کو بھی سیراب کرتے تھے اور فوارے بنائے جاتے تھے۔ اس کی تعبیر انہیں امام ایدیبالی نے بتائی تھی کہ انہیں حکومت کے لئے چن لیا گیا ہے۔

یہ کہانی سلطان عثمان کی وفات کے ڈیڑھ سو برس بعد پندرہویں صدی میں بنائی گئی لیکن ایک طاقتور کہانی سمجھی جاتی ہے جو یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ اس خاندان کا حکومت کرنا قسمت میں لکھ دیا گیا تھا۔

اگر ہم 1299 کو دیکھیں تو یہ وسطی ایشیا سے آنے والے ترکمان لوگوں کا ایک قبیلہ تھا جو اناطولیہ کا کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بازنطینی حکمران کے باسفورس پر چوتھی صدی میں بسائے گیا شہر قسطنطنیہ مشرقی رومی سلطنت کا دارلحکومت چلا آ رہا تھا۔ عثمانیوں سے پہلے ترکمان بازنطینی سلطنت پر مشرق سے بار بار حملہ کرنے والے جری جوان سمجھے جاتے تھے۔ ترکوں میں سے سلجوق ترک سب سے زیادہ کامیاب رہے تھے۔ سلطان

ارپ ارسلان نے بازنطینیوں کو 1071 میں شکست دے کر ترکوں کا مغرب کی طرف ہجرت کر کے اس علاقے میں آنے کا راستہ کھولا تھا۔ یہ اناطولیہ کی قسمت طے کرنے کا اہم سنگِ میل تھا۔
سلجوقوں نے اگلی ایک صدی میں کمزور ترک قبائل کے علاقوں کو فتح کر لیا تھا۔ تیرہویں صدی کا آغاز ان سلجوقوں کے عروج کا تھا۔ انکو رومی سلجوق کہا جاتا تھا۔ منگولوں نے سلجوق سلطنت کو تاراج کیا۔ ایک وقت میں قونیہ کا طاقتور سلجوق سلطان قراقرم کے منگولوں کا باجگزار بن چکا تھا۔ منگول خود اپنے اندرونی جھگڑوں کا شکار ہو گئے اور اناطولیہ کے علاقے میں طاقت کا خلا پیدا ہو گیا۔

تاریخ میں ہمیں 1301 میں پہلی لڑائی کا ذکر ملتا ہے جو قسطنطنیہ کے قریب لڑی گئی اور بازنطینی فوج کو شکست ہوئی۔ اس لڑائی میں ترکمان کی قیادت جس نے کی اس کا نام عثمان تھا۔ وہی عثمان جس کے گرد کہانیاں بنیں اور اس سلطنت کا نام پڑا۔ ہمیں پہلی عثمانی تعمیر حاجی اوزبک مسجد ملتی ہے جس کو 1333 میں بنایا گیا۔
اگرچہ عثمان بن ارطغرل فرضی کردار نہیں تھے لیکن ان کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے دور میں یہ اتنے اہم کردار نہیں تھے۔ اس وقت کسی کو اندازہ نہیں ہو گا کہ ان کی ابتدائی فتوحات ایک بڑی سلطنت کی بنیاد رکھ رہی ہیں۔
عثمانی روایات بتاتی ہیں کہ شمال مغربی اناطولیہ میں ایک قبائلی سردار ارطغرل تھے۔ سلجوق سلطان نے انہیں قونیہ میں جاگیر دی تھی جو سوگت کی آبادی کے قریب تھی۔ ہمیں اس دور کا سکہ ملا ہے جس پر عثمان بن ارطغرل کی مہر ہے۔ اس سے پتا لگتا ہے کہ عثمان محض قبائلی سردار نہیں تھے بلکہ اس سے زیادہ بڑے علاقے پر حکمران تھے۔ سب سے پرانا سکہ 1326 کا ہے۔ اور اس سے مورخ اندازہ لگاتے ہیں کہ عثمانی حکومت منگولوں کی الخانیت سے آزاد ہو چکی تھی۔
ترکمانیوں کی آمد نے طاقت کا توازن ہلا دیا۔ بازنطینی، سلجوق، الخانی تینوں اس سے متاثر ہوئے۔ عثمانیوں کی ایک خاص نشانی درویش تھے۔ جو ان کے مارچ کا حصہ رہے۔ یہ ہمیں اس سلطنت کی سب سے پرانی دستاویز سے بھی پتا لگتا ہے۔ یہ دستاویز عثمان کے بیٹے اورحان کی طرف سے درویشوں کو 1324 میں زمین دینے کی ہے۔ (ساتھ لگی تصویر اسی دستاویز کی ہے)۔ اناطولیہ میں پھیلی درویشوں کی خانقاہیں عثمانی اثر کے ساتھ پھیلتی گئیں۔ اورحان اور بعد میں آنے والے درویشوں کے سلسلوں سے منسلک رہے۔ درویشوں کے سلسلوں کی اس سلطنت کے پورے دور میں اہمیت رہی۔
ہمیں سلطان عثمان کے دور کی کوئی دستاویز نہیں ملتی جس سے معلوم ہو کہ وہ خود کو کیا کہتے تھے لیکن اورحان نے اپنے لئے غازی کا لقب چنا تھا۔

عثمان کے خواب کی تاریخ پندرہویں صدی میں لکھی گی جب عثمانی مورخین نے سلطنت کے ابتدا کی تاریخ لکھی۔ انیسویں صدی میں سلطان عبدالحمید دوئم نے اپنی زوال پذیر ہوتی سلطنت کو سہارا دینے کے لئے ماضی کا سہارا لیا۔ یہ وہ دور تھا جب ابتدا کے بارے میں رومانس داخل ہوا۔ سوگت کو عثمانی سلطنت کا گڑھ قرار دیا گیا۔ ماضی کے نئے ہیرو بنے۔ ارطغرل کا مقبرہ تعمیر ہوا۔ سنگِ مرمر سے تعمیرات ہوئیں۔ ارطغرل کی زوجہ کی قبر کا اضافہ ہوا۔ سلطان عثمان کی قبر بنائی گئی (حالانکہ ان کو ان کے بیٹے نے یہاں سے لے جا کر بورصہ میں دفن کیا تھا) اور ان کے ساتھ کے پچیس جنگجوؤں کی قبریں بنیں۔ آج بھی سوگت میں یہ تاریخی حیثیت رکھتے ہیں اور سالانہ عرس منایا جاتا ہے جس میں عثمانی سلطنت کی ابتدا کو یاد کیا جاتا ہے۔
اگرچہ اس سلطنت کا آغاز ماضی کی دھند سے ڈھکا ہے۔ لیکن اس کا عروج اور زوال بالکل نہیں۔

ساتھ لگی تصویر عثمانی سلطنت کی سب سے پرانی دستاویز کی ہے۔یہ درویش خانقاہ قائم کرنے کا چارٹر ہے۔اس چارٹر کے اوپر طغرہ (شاہی دستخط) میں عثمان کا بیٹا اورحان لکھا ہے۔یہ دستاویز فارسی زبان میں لکھی ہے اور 1324 کی ہے۔یہ تین صفحات کی دستاویز میں سے پہلا صفحہ ہے۔

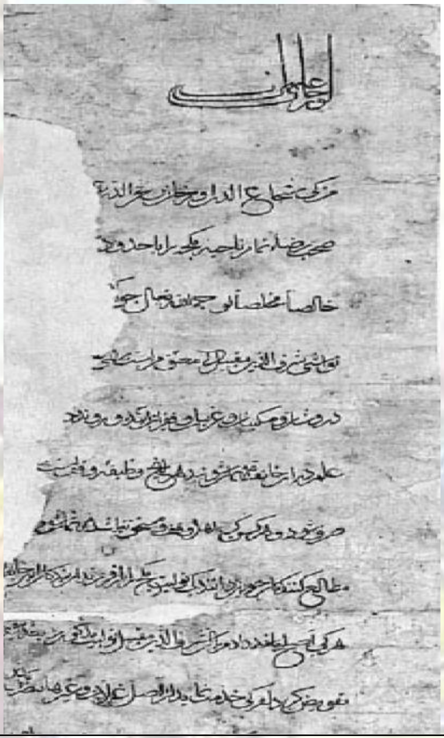

سوال	بعض مقامات پر پڑھنے کو ملتا ہے کہ جب 1923 میں خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کیا گیا تھا تو اس وقت سلطنت کا خاتمہ 100 سال کے لیے کیا گیا تھا اور اب 2023 میں اس 100 سالہ معاہدے کے اختتام پر ایک بار پھر خلافت عثمانیہ کی بحالی کا اعلان کیا جائے گا اس بات میں کتنی سچائی ہے
جواب	اس میں سچائی کا کوئی عنصر نہیں
سوال	سلطان عثمان کے بورصہ میں مدفن پر کوئی مقبرہ موجود سمجھنا جاری و ساری ہے یا سوگت ہی سلطنت عثمانیہ کا hub ہے ؟
جواب	 سوگت میں علامتی ہے اور کمپلیکس بنایا گیا ہے۔اس کی ایک تصویر / بورصہ میں بھی ان کا مقبرہ ہے۔ساتھ لگی تصویر اس کی ہے۔

سوال	جب مصطفیٰ کمال اتا ترک ترکی کی خلافت ختم کررہا تھا تو کیا ترک عوام اس کے ساتھ تھے۔؟ مصطفیٰ کمال نے ترکی کی بنیاد کو بلکل تبدیل کردیا آج ترکی جو اسلامی خلافت کا منبع اور مرکز سمجھا جاتا تھا سیکولرزم کا داعی ہے۔؟کیا ترکی کی عوام نے اتنی بڑی تبدیلی کو قبول کرلیا تھا
جواب	مصطفیٰ کمال پاشا ایک جنگی ہیرو تھے۔انہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں جنگِ آزادی لڑی تھی اور ملک کا وہ حصہ بچایا تھا جو معاہدے کے تحت روس اور گریس کو دیا جا چکا تھا۔ان کی لڑائی نہ صرف اتحادی طاقتوں سے تھی بلکہ خود اپنے ملک کے حکمران سے بھی۔ شیخ الاسلام ان کو مرتد اور واجب القتل قرار دے چکے تھے۔ ان کو غیر حاضری میں سزائے موت دی جاچکی تھی لیکن انہوں نے اس کے باوجود گوریلا جنگ جاری رکھی اور کامیابی حاصل کی۔جس قدر مقبولیت ان کے پاس تھی،وہ بہت ہی کم کسی کے پاس ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ انہیں بڑی اصلاحات کرتے مزاحمت نہیں آئی۔اور پھر وہی ہوا جو ہر مقبول راہنما کے ساتھ ہوتا ہے۔(جواب کابقیہ اگلے صفحہ پر) بہت جلد، وہ اپوزیشن کو برداشت نہ کرنے والے ڈکٹیٹر بن گئے، جن کا کہا آخری حرف ہوتا ہے۔ایک اور کرشماتی مطلق العنان حکران۔جس کے حامی اور مخالف دونوں ہی انتہاؤں پر پائے جاتے
سوال	یعنی کے انکو عوام کا ساتھ حاصل تھا۔
جواب	جی ہاں۔مقبول تھے تو اتنا کچھ تبدیل کر سکے۔آن کا انتقال ہوئے بھی ستر برس ہونے کو ہیں۔آج بھی ان کے نام پر سیاست کی جاتی ہے۔
سوال	سر کیا یہ درست ہے کہ مصطفیٰ کمال ایک ڈکٹیٹر تھے اور اقتدار کے بعد انہوں نے ملک کے اندر مغربی اصلاحات نافذ کرنے کی اور اسلامی اقدار کو دبانے کی کوشش کی؟؟؟
جواب	ہندوستان سے تحریکِ خلافت نے مصطفیٰ کمال کی حمایت میں قرارداد منظور کی تھی۔ان کی کامیابی پر وفد ملنے گیا تھا۔(انہیں خلیفہ کا ٹائٹل اختیار کرنے کا مشورہ دیا تھا)۔پاکستان میں تو وہ بہت مدت بہت زیادہ مقبول رہے تھے۔(جواب کابقیہ حصہ اگلے صفحہ پر) باقی پھر، ہاں، وہ ایک ڈکٹیٹر تھے جو سب کو ساتھ لے کر چلنے کے قائل نہیں تھے۔اس کی وجہ شاید ان کا عسکری بیک گراؤنڈ ہو گا۔سلطنتِ عثمانیہ ترکوں کا خواب نہیں، ماضی کا رومانس ہے۔
سوال	ماضی کا رومانس مطلب
جواب	کبھی ہم بھی خوبصورت تھے۔۔۔ جب انگریز ہندستان پر حکومت کر رہے تھے تو ہڑپہ کی اور وادی سندھ کی تہذہب کی تلاش بڑی خبر تھی۔"ہم ماضی میں اپنوں پر حکومت کرنے والوں سے کم نہ تھے۔ان کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم پر حکومت کریں"۔یہ ایک اخبار نے خبر لگائی تھی۔ہمیں ماضی سے inspiration کی تلاش ہوتی ہے۔
سوال	آپ سے درخواست ہے کہ اسی طرح کی ایک پوسٹ چنگیزخان کی تاتاری سلطنت کے بارے میں بھی لکھیں اور اس میں یہ بھیلکھیں کہ موجودہ زمانے میں تاتاری سلطنت کا کیا حال ہے کیونکہ کچھ عرصہ پہلے میں نے کسی فارن ٹی وی چینل پر ایک ڈاکومینٹری دیکھی تھی جس میں دکھایا گیا تھا کہ منگولیا کے لوگ جن کے آباؤ اجداد نے ساری دنیا کو لوٹا تھا وہ اب بھی خانہ بدوشی اور کسمپرسی کی ہی زندگی گزار رہے ہیں
جواب	موجودہ منگولیا پر ایک چھوٹی سی پوسٹ https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/1323761341059805/
سوال	سلطنت کا خاتمہ معاہدہ لوازان کے زریعے کیا گیا تھا اور عالمی قوانین کے کے مطابق کوئی بھی معاہدہ سو سال بعد خود بخود ختم ہو جاتا ہے لیکن سلطنت عثمانیہ بحال کرنا ایک تقریباًنا ممکن کام ہے حجازِ مقدس آلِ سعود کسی طرح بھی واپس نہیں کریں گے اور جو ملک آزاد ہو گئے وہ دوبارہ

	ترکی کے تسلط میں کبھی بھی نہیں آئیں گے ترکی اتنا طاقتور نہیں کہ کسی آزاد ملک پر قبضہ کر سکے ہاں ترکی کو کچھ چھوٹے موٹے اخلاقی فائدے ہوں گے
جواب	یہ بات درست نہیں ہے کہ سلطنت کا خاتمہ لوزین معاہدے سے کیا گیا۔یہ کام ترکی کی پارلیمنٹ نے کیا تھا۔لوزین معاہدہ سیورس معاہدے میں عمل درآمد کی ناکامی کے بعد ہونے والا دوسرا امن معاہدہ تھا۔ اور یہ بات بھی درست نہیں کہ عالمی معاہدے سو سال کے بعد ختم ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی بھی معاہدے میںsunset clauseہو تو ہی وہ اس شق کے مطابق اپنے وقت پر ختم ہوتا ہے۔
سوال	سر آپ انگریزی کتابوں میں تاریخ پڑھتے ہیں اور اہم اردو میں کیا اردو کی کتابوں میں تاریخ غلط بیان کی گئی ہوتی ہے؟
جواب	کسی کتاب کے معیار کا زبان سے تعلق لازمی نہیں۔انگریزی میں آپ ترک، برطانوی، امریکی، انڈین، پاکستانی، بنگلہ دیشی، کینیڈین سمیت ہر مصنف کو پڑھ سکتے ہیں۔اردو میں ظاہر ہے کہ لکھنے والوں کی اتنی وسعت کا ہونا ممکن نہیں۔
سوال	ترکوں کی سرکاری زبان کبھی فارسی نہیں رہی تو یہ دستاویز فارسی میں؟
جواب	فارسی ترک علاقوں میں استعمال ہوتی رہے ہے اور ترکی زبان پر بھی اس کا بہت اثر ہے۔
سوال	سر ترکی کا موجودہ رسم الخط تو سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد جاری ہوا تھا, اس سے پہلے کونسا رسم الخط استعمال ہوتا تھا؟
جواب	عربی رسم الخط تھا۔ساتھ لگا عکس عثمانی دور کی ایک کتاب کے صفحے کا ہے۔
سوال	سر کہا جاتا ہے کہ ترگتTurgut Alp اردو میں نور گُل جس کو ارتغل سیریز میں دکھایا گیا ہے وہ ایک فرضی کردار ہے
جواب	Zahid Arain(یہ جواب زاہد ارائیں صاحب کا ہے) ترگت الپ ماقبل سلطنت عثمانیہ کے غازی تھے۔ عثمانی روایات کے مطابق وہ ارطغرل کے سچے دوست، ساتھی اور ہمدرد تھے ارطغرل کی وفات کے بعد ترگت الپ سلطنت عثمانیہ کے بانی عثمان اول کے بھی وفادار رہے اور حکومت میں ان کے معاون تھے۔انہوں نے سو برس سے زیادہ عمر پائی اور آخر وقت تک میدان جنگ میں سرگرم رہے۔ بچپن میں منگولوں نے ان کے والدین کو شہید کر دیا تھا۔ان کا ہتھیار ان کا مشہور کلہاڑا تھا اور وہ واحد جنگجو ہیں جنہوں نے تیغ و سناں کی بجائے کلہاڑے کو اپنا ہتھیار بنایا۔ 1877ء میں روس ترکی جنگ (1877ء-1878ء) کے دوران میں موجودہ بلغاریہ کے مسلمانوں نے ایک شہر بسایا جس کا نام سلطان کے مشورہ سے ترگت الپ کے نام پر تورگوتالپ رکھا گیا۔1986ء میں اس علاقہ کو قصبہ کا درجہ دیا گیا۔یہاں کی معیشت کاشت کاری پر منحصر ہے۔اہم فصلوں میں تمباکو، کپاس، زیتون، ٹماٹر اور گیہوں ہیں۔کچھ شہری پاورپلانٹ اور کوئلہ کی کانوں میں بھی کام کرتے ہیں۔

2-ابتدا سے خلافت تک۔ سلطنتِ عثمانیہ

عثمان سے مہمت ششم تک چھ سو سالوں میں عثمانی سلطنت کے 36 سلطان گزرے۔ عثمان اور ان کے بیٹے اورحان نے بورصہ اور پھر ادرنہ تک قبضہ کیا اور ادرنہ کو دار لحکومت بنادیا۔ اس کے بعد آنے والے مراد تھے جنہوں کے دور میں بلقان کا بڑا حصہ حاصل کر لیا گیا۔ انہوں نے پہلی بار سلطان کا لقب استعمال کیا۔ کوسووو کی جنگ کے دوران ایک سرب نے خیمے میں آکر انہیں قتل کر دیا۔ چوتھے سلطان بایزید اول تھے جنہیں یلدرم (بجلی کی کڑک) کہا جاتا تھا۔ انہوں نے دس برس میں سلطنت کا رقبہ دگنا کر دیا۔ اب سلطنت کا مشرقی حصہ ایشیا میں اناطولیہ تھا اور مغربی حصہ یورپ میں رومیلیا۔ ان کے درمیان میں قسطنطنیہ جو ان کے پاس نہیں تھا۔

عثمانی سلطنت کو سب سے بڑا خطرہ امیر تیمور کی طرف سے آیا۔ ازبکستان سے آنے والے جنگجو تیمور کی سلطنت ہند سے ترکی تک اور سعودی عرب سے روس تک پھیلی تھی۔ تیموری اور عثمانی افواج کی جنگ انقرہ کے قریب ہوئی۔ یہ انتہائی خونی جنگ تھی جس میں ایک روز میں ہونے والی اموات شاید بیسویں صدی سے پہلے کی کسی بھی جنگ میں سب سے زیادہ تھیں۔ بایزید نے اپنی سلطنت کے پورے وسائل اس جنگ میں جھونک دئے تھے۔ لیکن امیر تیمور کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ 28 جولائی 1402 کے اس گرم دن عثمانی افواج تتر بتر ہو چکی تھیں۔ امیر تیمور کی افواج نے بھی بھاری جانی نقصان اٹھایا تھا۔ بایزید اپنی زوجہ کے ہمراہ گرفتار ہوگئے۔ کارامان، گرمیان، ایدن، ساروہان اور منتیش قبائل کے علاقے عثمانیوں نے لئے تھے۔ امیر تیمور نے یہ ان کو لوٹا دئے۔ اناطولیہ میں ایک سال تک لوٹ مار چلتی رہی۔ بایزید قید کے دوران ہی 1403 میں انتقال کر گئے۔

اس سے اگلے بیس سال تک عثمانی خانہ جنگی کا شکار رہے۔ عثمانی سلطنت اپنے شروع ہونے کے سو سال بعد ہی ختم ہوتے ہوتے بچی۔ بایزید کے بیٹوں کے درمیان سلطنت پر قبضے کے لئے جنگ چھڑ گئی۔ شہزادہ موسیٰ اور مصطفیٰ کو امیر تیمور کی پشت پناہی حاصل تھی۔ سیلمان، مہمت اور عیسیٰ کو اپنے اپنے اتحادی مل گئے۔ شہزادہ یوسف نے مسیحیت قبول کر لی اور نام ڈمیٹریس رکھا اور بازنطینیوں کی مدد حاصل کی۔ اس خانہ جنگی میں فتح شہزادہ مہمت کے ہاتھ میں آئی اور اقتدار ان کے بیٹے مراد کو منتقل ہوا۔

مہمت دوئم 1451 میں سلطان بنے۔ انہوں نے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ بڑی فوج اور بھاری توپخانے کے آگے یہ شہر دفاع کرنے میں ناکام رہا۔ مسلمان افواج اس سے پہلے تیرہ بار اس شہر پر حملہ آور ہو چکی تھیں لیکن ناکامی ہوئی تھی۔ ساتویں صدی میں عربوں سے لے کر مہمت دوئم کے پردادا بایزید جنہوں نے آٹھ سال اس شہر کا محاصرہ رکھا تھا، اس شہر پر قبضہ نہ حاصل کر سکے تھے۔ عثمانیوں نے اس کی یادگاریں برقرار رکھیں۔ ہاجیہ صوفیہ کی یادگار آج بھی قائم ہے۔ اس کو مسجد میں بدل دیا گیا۔ بازنطینی بادشاہ قسطنطین کے نام پر اس شہر کا نام رکھا گیا تھا۔ یونانی اس شہر کو یونانی زبان میں شہر کہتے تھے اور یہاں آنے جانے کو سٹینبولی کہا جاتا تھا۔ اور اس وجہ سے 1922 میں اس شہر کا نام استنبول رکھ دیا گیا۔ اس شہر پر قبضے کے بعد عثمانیہ سلطنت کا دارالحکومت یہی رہا۔ یہاں تعمیر کردہ توپکاپی محل (نیا محل) انیسویں صدی تک سلطان کا گھر رہا۔

مہمت نے سربیا پر پانچ سال کی جنگ کے بعد قبضہ حاصل کر لیا۔ یورپ میں آرتھوڈوکس کرسچن اور کیتھولک کرسچن کی لڑائی کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کرنے کے فن میں مہمت ماہر تھے۔ عثمانی یہ گُر یورپ میں اگلی صدیوں میں استعمال کرتے رہے۔

مشرق کی طرف سے انہیں زیادہ مشکلات کا سامنا تھا۔ یہ مشکل اوزن حسن تھے۔ اوزن 1467 میں آذربائیجان، فارس، کرمان اور مشرقی اناطولیہ تک قبضہ کر چکے تھے۔ تیموری سلطنت کے وارث تھے۔ مقاماتِ مقدسہ پر قبضہ حاصل کرنے کے خواہاں تھے۔ 1472 میں عثمانی سلطنت پر بھی قبضہ کرنے کا ارادہ ظاہر کر دیا۔ ابتدا میں عثمانیوں کے خلاف فتوحات کے بعد بغداد کے اوزن کے خلاف قاہرہ کے مملوک اور قسطنطنیہ کے عثمانیوں کا اتحاد ہو گیا جس نے اوزن کی پیشقدمی کو روک دیا۔ اوزن آج کے وسطی ایشیا میں ماضی کے عظیم مسلمان ہیرو کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ان کے مجسمے آج اشک آباد اور آذربائیجان میں نصب ہیں۔

اوزن کی پیشقدمی روک کر اناطولیہ کا تمام رقبہ عثمانیوں نے مقامی شہزادوں سے حاصل کر لیا۔ مہمت دوئم نے سلطنت کی ہر طرف توسیع کی اور کریمیا تک جا پہنچے۔ مشرق اور مغرب کے درمیان کے تجارتی راستے اب ان کے پاس تھے۔ ان کا سب سے بڑا تجارتی پارٹنر وینس رہا۔ عثمانیوں اور وینس کی وقتاً فوقتاً گھٹ پٹ چلتی رہے لیکن وینس اور استنبول کا یہ تجارتی نیٹورک تھا جس نے دونوں کو نہ صرف امیر کیا بلکہ یورپی نشاۃِ ثانیہ کی بنیاد رکھی۔ کلاسیکل یونانی اور رومیوں کے کام جو مسلمان سکالرز نے ترجمہ کئے تھے اور نیا کام کیا تھا، وہ اس نیٹورک سے واپس اٹلی پہنچے۔

انتظامی لحاظ سے سلطان کے پاس وسیع اختیارات تھے۔ سلطان کے وزیر اور بیوروکریٹ امورِ حکومت چلاتے تھے۔ شاہی فوج جانثار کہلاتی تھی اور ان کا حکومت پر اثر زیادہ تھا۔ کون سلطان بنے گا اور کون نہیں؟ اس انتخاب میں ان کا اہم کردار ہوا کرتا تھا۔ جانثاروں کے حد سے بڑھے اثر کا مسئلہ عثمانی سلطان صدیوں تک حل نہ کر سکے۔

شمال مغربی ایران میں شیخ صفی الدین اسحاق کا انتقال 1334 میں ہوا۔ صفی الدین عسکریت پسند شیعہ عالم تھے۔ اناطولیہ اور ایران کے درمیان دشوار گزار علاقے سے تعلق رکھنے والے شیخ جنید صفی الدین کے پیروکار تھے۔ شیخ جنید نے مقامی سرداروں کا اتحاد بنانا شروع کیا۔ ان کے چودہ سالہ نواسے شاہ اسماعیل تھے جن کی قیادت میں ان کی آرمی نے تبریز فتح کیا۔ اور صفوی سلطنت کی 1501 میں بنیاد رکھی۔ صفوی اور عثمانی اگلی صدیوں میں آپس میں برسرپیکار رہے۔

شاہ اسماعیل اور سرخ پگڑی والے قزلباش مشرق سے عثمانی سلطنت کے لئے خطرہ تھے۔ جب سلطان سلیم اول تیاری کے ساتھ لاؤلشکر لے کر 1516 میں نکلے تو شاہ اسماعیل کا خیال تھا کہ حملہ ان پر ہو گا لیکن عثمانیوں کا نشانہ کوئی اور تھا۔ 24 اگست 1516 کو حلب میں مملوکوں کے ساتھ جنگ ہوئی اور اڑھائی سو سال بعد شام مملوکوں کے قبضے سے نکل گیا۔ عثمانیوں کے پاس بارود تھا جو ان کے مخالفین کے پاس اس جنگ میں نہیں تھا۔ مملوکوں کے گھوڑوں پر سوار تیر اندازوں کا مقابلہ عثمانی توپوں اور بندوقوں سے تھا جو یکطرفہ رہا۔ جنوری 1517 میں قاہرہ فتح ہو گیا۔

مملوکوں نے صلیبی جنگ میں آوٹریمر کا صفایا کیا تھا اور منگولوں کے ہاتھوں مصر اور شام کے علاوہ اسلام کے مقاماتِ مقدسہ کو تاراج ہونے سے بچایا تھا۔1250 سے یہ حکمران تھے۔ اور بہادر جنگجوؤں کی شہرت رکھتے تھے۔ لیکن ہتھیاروں میں برتری کی وجہ سے عثمانیوں نے ان کا دور ختم کر دیا۔

مملوکوں کو شکست دے کر مشرقی بحیرہ روم اب عثمانی سلطنت کے پاس تھا۔ آخری عباسی خلیفہ المتوکل گرفتار کئے گئے اور قسطنطنیہ لائے گئے۔

مغرب اور مشرق کو ملانے والے تمام راستے اب عثمانیوں کے پاس تھے۔ ایران، ہند، چین کی یورپ اور افریقہ سے تجارت کا یہ مرکز تھا۔ اون، ریشم، میوے، مصالحے، قیمتی پتھر، کاٹن، موتی، دھاتیں، چمڑا، اوزار، برتن، کھالیں، غلام سب کے تجارتی راستے یہاں سے تھے۔ اس پر وصول کیا جانے والا کسٹم کمائی کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔ بحیرہ احمر تک رسائی تھی اور پرتگالی بحریہ کے ساتھ براہِ راست مقابلہ تھا۔

یورپی ریاستوں کے ملاحوں نے اس وجہ سے برِ صغیر تک پہنچنے کے متبادل راستے ڈھونڈنا شروع کئے۔ پرتگالی مہم جوؤں نے منڈیوں کی تلاش میں افریقہ کے گرد سمندری سفر اسی وجہ سے کیا۔ اور یورپی ملاح سمندروں پر مہارت کی وجہ سے امریکہ تک پہنچے۔

عباسی خلیفہ المتوکل کی گرفتاری کے بعد اور حجاز پر قبضہ حاصل کر لینے کے بعد عثمانی سلطان سلیم اول نے 1517 میں خلیفہ کا اضافی لقب اپنا لیا۔ اگلے چار سو سال تک عثمانی سلطان اسے استعمال کرتے رہے۔

ساتھ لگی تصویر میں عثمانی مملوک جنگ کا ایک خاکہ بنایا گیا ہے۔ عثمانی بندوقیں اس جنگ میں فیصلہ کن رہی تھیں۔

سوال	مملوکوں کا اگر حلب پہ احسان تھا تو عثمانی ان سے لڑے کیوں
جواب	اس جنگ کا اپنا سیاسی پس منظر تھا لیکن بنیادی بات۔۔۔کوئی بھی سلطنت اپنی پڑوسی سلطنت سے کیوں جنگ کرتی تھی؟
سوال	اس کا جواب تو سر آپ ہی دے سکتے ہیں
جواب	مملوکوں کے پاس قاہرہ، دمشق، حلب، مکہ جیسے پرکشش علاقے تھے۔ اس سے دو سال قبل عثمانیوں نے فارس کی فوج کو چلدرن میں اہم شکست دی تھی اور سلطنت کی وسعت کا راستہ کھول دیا تھا۔ دوسری طرف مملوکوں نے صفویوں کے ساتھ جنگ میں اتحاد بنانے سے انکار کیا تھا۔

	عثمانیوں کو خطرہ یہ تھا کہ مملکوک آئندہ صفویوں سے ملکر اتحاد نہ بنا لیں۔
سوال	یلدرم کا بیٹا موسی تیمور کے ساتھ لڑتے ہوئے مارا گیا تھا ؟
جواب	یلدرم کے بیٹے موسیٰ یورپ کے سلطان بن گئے تھے۔ان کے بھائی مہمت نے سربیا کے بادشاہ سٹیفن لازاریوچ سے اتحاد کیا تھا۔مہمت اور سٹیفن کی فوجوں نے موسیٰ کو بلغاریہ میں چامورلو کی جنگ میں شکست دی اور موسیٰ اس جنگ میں قتل کر دیۓ گۓ۔مہمت کی فتح کے بعد خانہ جنگی کا بڑی حد تک خاتمہ ہو گیا تھا۔
سوال	سر ترتیب سے تاریخی واقعات کو فیٹ کرنا بڑا مشکل لگتا۔۔آدمی کا ذہن کبھی ایک مسئلے میں الجھتا ہے تو دوسری الجھن پیدا ہوتی۔ مثلا ایک خلیفے کا تیمور کی قید میں مرنے کا مطلب عثمانی دور کا خاتمہ ہونا چاہئے مگر پھر کسی کونے سے ایک آدھ سلطان نمودار ہوتا جسے پھر کوئی ٹھکانے لگانے آ جاتا ہے۔
جواب	تیمور لنگ نے مشرق سے اناطولیہ پر حملہ کیا تھا۔مشرقی یورپ کا علاقہ عثمانیوں کے پاس تھا۔اناطولیہ کا کچھ علاقہ تیمور نے حاصل کر لیا تھا لیکن تمام نہیں۔صرف سلطان کے جانے سے سلطنت ختم نہیں ہوتی۔
سوال	سر، سلیمان عالیشان کا دور کب شروع ہوا تھا؟
جواب	سلیمان کا دور 1520 سے 1566 تک تھا۔
سوال	آپ نے خلیفہ سلیمان اعظم سے پہلے تک عثمانی عہد کی بہت ہی خوبصورت سمری پیش کی۔۔ ایک دو باتیں کرنا چاہوں گا۔۔ "شاید آپ یہ جملہ بدلنا چاہیں۔۔۔"تیمور کی سلطنت۔۔۔سعودی عرب سے روس تک پھیلی ہوئی تھی۔ سعودی سلطنت 23 ستمبر 1932 کو شاہ عبدل عزیز السعود کے نام پر وجود میں آئی تھی۔یقینا" آپ جزیرہ نما عرب کہنا چاہ رہے تھے۔۔۔۔ کبھی وقت ہو تو سلطان مراد کے زمانے میں شہزادہ جمشید کی کہانی بھی بیان کیجیے گا۔اس سے سب کو عبرت ہو گی کہ کیسے ایک مسلمان سلطان اور عیسائی پوپ اپنے مناصب سے گر کر بلیک میلنگ جیسے دھندے میں ملوث رہے۔۔ کیتھولک اور آرتھوڈاکس کے اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے کہ سلطان محمد دوئم فاتح نے اس کو کیسے ایکسپلائیٹ کیا۔۔۔ یہاں آرتھوڈاکس سے آپ کی مراد یقینا" مشرقی آرتھوڈاکس یعنی قسطنطنیہ کا چرچ ہے۔۔آپ کے قارئین کی دلچسپی کے لیے اضافہ کنا چاہوں گا کہ یہ اختلافات 451 عیسوی سے سٹارٹ ہوئے تھے۔۔دونوں میں بڑے سنگین اختلافات تھے۔مثلا" تین خدا ہونے والا مسئلہ پر۔۔ یہ اختلاف گیارہوں صدی میں قیصر اور پوپ کے بیچ ذاتی دشمنی بن گئے۔اور 1051 میں پوپ کے نمائندے نے ہاجیہ صوفیہ میں آ کر ایکس کمیونی کیشن کا اعلان لٹکا دیا۔یعنی جو بھی مشرقی چرچ کو مانے گا اس کا عیسائیت سے کوئی تعلق نہیں رہ گیا۔۔ تاہم۔۔ ۔آخری قیصر نے سلطان محمد(محمت) کے زمانے میں پوپ کو خط لکھ کر اس کی سیادت قبول کر لی تھی اور سلطان کے خلاف مدد مانگی تھی۔ سلطان نے یہ دال نہ گلنے دی اور قسطنطنیہ کا عظیم تاریخی شہر آخر کار فتح ہو گیا۔۔(سوال کابقیہ حصہ اگلے صفحے پر) یورپ اس صدمے سے آج تک باہر نہیں نکل سکا۔۔۔ انگورہ کی لڑائی کے بارے میں اس جملے سے مجھے اختلاف کی جسارت ہے(بقیہ حصہ اگلے صفحہ پر) کہ سلطان بایزید نے اپنے تمام وسائل جھونک دیے تھے۔تیمور بہت شاطر انسان تھا۔وہ بایزید کے علاقے میں پہلے ہی پہنچ چکا تھااور اسے خط لکھ لکھ کر مسلسل غصہ دلا رہا تھا۔اس کا یہ حملہ بھی قیصر کی انگیخت پر ہی تھا۔۔سلطان اس وقت کئی سال سے اپنا سب کچھ چھوڑ کر قسطنطنیہ کے محاصرے مین پڑا تھا۔۔وہ محاصرہ چھوڑ کر پلٹا۔۔اور غلطی یہی کی کہ غصے میں فورا" جنگ شروع کر دی۔۔اپنی سلطنت کے تمام وسائل اکٹھے کیے

	بغیر۔۔۔آپ کی تحاریر ہر بار کچھ سکھا جاتی ہیں۔۔مبارک باد۔
جواب	معلوماتی کمنٹ کا شکریہ۔
سوال	Asadimran Shah TO Attiq Rehman یورپ اس صدمے سے آج تک باہر نہیں نکل سکا. یہ کیسے لکھا آپ نے ؟
جواب	Attiq Rehman TO Asadimran Shah قسطنطیہ ایسے ہی تھا جیسے مسلمانوں کے لیے مکہ۔۔آپ نے مسلمانوں اور رومیوں میں حضور اکرم ص کے زمانے کے غزوہ موتہ و تبوک اور قیصر قسطنطنیہ ہر قل کا نام تو سنا ہو گا۔حضرت ابو بکر اورر حضرت عمر و بعد کے زمانے میں شام اور پھر مصر فتح ہوئے۔وہ سب رومیوں کے پاس تھے۔جن کا "مکہ" قسطنطیہ " تھا۔۔۔ یہ بہت عظیم تاریخی شہر ہے۔۔اس کی اہمیت کا اندازہ عیسائی دنیا کو ہی ہے۔۔ترکی کا یہ حصہ یورپ میں شامل ہے۔لیکن ترکی کو یورپین یونین میں داخل نہیں کیا جاتا۔۔اس کی دیگر وجوہات میں سے ایک یہ تاریخی صدماتی وجہ بھی ہے۔۔۔باقی ساری یورپی اقوام نے ترکوں کے ہاتھوں صدمات اٹھائے ہوئے ہیں جن میں سے قسطنطیہ۔۔۔اور اس میں بھی ہاجیہ صوفیہ کا گرجا ان کے لیے بہت اہم تھا۔اور ہے۔۔
سوال	جن جانثاروں کا ذکر ہے, اگر میں غلط نہیں تو وہ ینی چری تھے؟
جواب	**(سروہاراامباکر)**جی بالکل۔یہ بنی چری تھے۔ (**Attiq Rehman**)جی۔۔۔ینی چری۔یعنی نئے سپاہی۔۔ یہ سلطان مراد اول کے زمانے میں شروع ہوئے۔اور 1826 تک چلے۔۔سلطان محمود دوئم نے ان کا سلسلہ تمام کیا۔۔
سوال	What is the conflict between catholic and orthodox????
جواب	کیتھولک میسیحیت میں پوپ کا کہا سب سے مقدم ہے۔آرتھوڈوکس میسیحیت میں فوقیت کتاب کو ہے۔کیتھولک میں سیاسی عنصر زیادہ رہا ہے۔پوپ بادشاہ سے فوقیت رکھتا تھا۔آرتھوڈوکس میں قانون ریاستی سربراہ کا ہے۔باقی پھر تثلیث کے عقیدے اور روحانی روایات میں فرق ہیں جو کوئی ادیان کا ماہر ہی بہتر بتا سکتا ہے۔البتہ سیاسی فرق تلخ رہے ہیں
سوال	مسلمان آپس میں ہی کیوں خون بہاتے رہے کیا صرف اپنی سلطنت کو بڑا کرنے کیلیے ؟؟؟ اگر آپ کی پوسٹس میں سب سچ ہے تو اس میں سوائے لوٹ مار کے اور کچھ نظر نہیں آتا
جواب	اس پوسٹ میں جتنا بھی لکھا ہے، یہ سب تاریخ کا عالم نالج ہے۔ جہاں تک مسلمان ممالک کے آپس کے جھگڑوں کا تعلق ہے، یہ تو آج بھی بہت سے جاری ہیں۔
سوال	امیر تیمور اور سلطنت عثمانیہ کے ٹکراو کی کیا وجہ بنی تھی ؟ جہاں تک میں نے سنا ہے اس میں ان کی ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا بھی ایک وجہ بنی
جواب	عثمانیوں نے اناطولیہ میں ترک قبائل کے علاقے چھینے تھے۔ان قبائل کے امیروں نے امیر تیمور سے مدد طلب کی تھی۔ تیمور کے نزدیک ان پر منگولوں کا حق تھا۔ تیمور نے آرمینیا، جارجیا، دمشق، حلب اور بغداد کو ایک ہی مہم میں تاراج کیا تھا اور وسیع پیمانے پر قتلِ عام کیا تھا۔ عثمانی علاقہ بھی اسی مہم کا حصہ تھا۔ تضحیک آمیز خط لکھ کر بھیجنا تیمور کا طریقہ تھا۔ مثلاً، بایزید کو خط لکھا تھا کہ "تم ایک چیونٹی سے زیادہ کچھ نہیں۔ ہاتھی سے لڑائی کرو گے تو کچلے جاؤ گے۔ تمہارے جیسا معمولی شہزادہ ہمارا مقابلہ کرے گا؟ ترکمان عقل میں ویسے ہی کم ہوتے ہیں۔ چپ کر کہ بات مان لو، ورنہ پچھتاؤ گے"۔

3- سلیمان عالیشان۔ سلطنتِ عثمانیہ

عثمانی سلطنت کا سنہری دور سلطان سلیمان کا دور تھا جو 1520 سے 1566 تک رہا۔ سلیمان کی ایک وجہ شہرت قوانین کے اجراء کی وجہ سے ہے۔ نظام انصاف کو شفاف اور ایفی شنٹ بنایا گیا۔ ترکی میں انہیں سلیمان قانونی کہا جاتا ہے۔ ان تیرہ معرکوں میں سلطنت ہر طرف پھیلی۔
جبکہ مغربی مورخین نے انہیں Suleiman the Magnificent لکھا ہے۔

افریقہ کا شمال جس میں الجزائر اور تیونس کے علاقے تھے۔ عرب میں یمن تک اور پھر مشرقی عرب تک۔ یورپ میں سرحدیں، آسٹریا تک پہنچ گئیں۔ تجارت سے ہونے والی اچھی آمدنی تھی جس سے شاندار آرٹ، خطاطی اور تعمیرات کی گئیں۔ معمار سینان کا مشہور کام اس دور کا ہے۔

بلغراد جہاں اس سے پہلے عثمانی قبضہ کرنے میں ناکام رہے تھے، 1521 میں فتح ہوا۔ ہنگری کے شہر قبضے میں آتے گئے۔ رہوڈز پر قبضے کے لئے پانچ ماہ لگے۔ فوج کی قیادت سلطان نے خود کی۔ مملوک علاقوں کی فتوحات کا مطلب یہ تھا کہ عثمانی سلطنت کی رعایا میں عرب علاقے تھے۔ 1526 کو بوہیمیا (موجودہ رومانیہ کا علاقہ) اور ہنگری کے علاقے فتح ہوئے۔

گجرات کے بہادر شاہ نے مغل بادشاہ ہمایوں سے شکست کھانے کے بعد پرتگالیوں کی مدد طلب کی تھی۔ پرتگالیوں نے ایک بار آ کر واپس جانے سے انکار کر دیا تھا۔ بہادر شاہ نے سلیمان سے پرتگالیوں کے خلاف مدد طلب کی۔ 72 جہازوں پر بیڑا جب تک گجرات پہنچا، بہادر شاہ کو پرتگالی قتل کر چکے تھے۔ مذاکرات کے بعد پرتگالیوں اور عثمانیوں میں معاملات طے ہو گئے اور ایک دوسرے سے نہ الجھنے پر اتفاق ہو گیا۔ اس سفر کے دوران عثمانیوں نے عدن پر قبضہ کیا اور یمن ان کے ہاتھ آ گیا۔

ہنگری میں بڑے علاقے پر قبضہ کرنے کے بعد 1532 میں شاہ فرڈینینڈ سے امن معاہدہ ہوا تو سلیمان نے مشرق میں صفویوں کی طرف توجہ کی۔ شاہ اسماعیل کی وفات کے بعد ان کا نوجوان بیٹا تہماسپ حکمران تھا۔ 1534 میں بغداد اس سے حاصل کر لیا گیا۔ بغداد آٹھویں صدی سے لے کر منگولوں کے 1258 میں تاراج کئے جانے تک اسلامی خلافت کی گدی رہا تھا۔ یہ ایک اہم فتح تھی۔ یہاں پر سلطان سلیمان نے امام ابو حنیفہ اور پھر عبدالقادر جیلانی کا شاندار مزار بنوایا۔ اسی مہم میں شیعہ اسلام کے اہم ترین علاقے نجف اور کربلا بھی عثمانیوں کے پاس آ گئے۔

شمالی افریقہ میں بحری مہارت استعمال ہوئی۔ خیر الدین بربروس، جو تاریخ میں "باربروسا" کے نام سے جانے جاتی ہیں، بحریہ کے کمانڈر تھے۔ انہوں نے حفصیوں کی اسلامی سلطنت کو تیونس میں فتح کیا اور پھر الجزائر پر قبضہ کیا۔ لیکن مراکش کے سعدی جو پہلے پرتگالیوں کو شکست دے چکے تھے، عثمانیوں کا حملہ بھی روکنے میں کامیاب رہے۔ بحیرہ روم پر عثمانیوں کی بالادستی رہی۔

اگلے برسوں میں سلیمان نے سلطنت مستحکم کرنے پر توجہ دی۔ ہنگری کا بیشتر حصہ عثمانیوں کے پاس تھا۔ اس کو واپس لینے کے لئے فرڈینڈ نے حملہ کیا تو بھاری شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ صفویوں نے حملہ کیا تو انہیں بھی کامیابی نہ ہوئی۔

عثمانی اگلی توسیع اس وقت ہوئی جب پیری رئیس کو بحرین اور ہرمز کو پرتگالیوں سے چھیننے کے لئے بھیجا گیا۔ یہ علاقے موتیوں کے لئے مشہور تھے۔ ہرمز پر کامیابی ہوئی لین بحرین ہاتھ نہ آ سکا۔ اس ناکامی پر تاریخ کے ایک عظیم ملاح پیری رئیز کو سزائے موت دے دی گئی۔ لیکن ہرمز سے آگے مزید علاقہ عثمانیوں کے ہاتھ آیا۔ لحاسا صوبہ بنا جس میں آج کا قطر اور مشرقی سعودی عرب شامل ہے۔ بحیرہ احمر کا طویل ساحل عثمانیوں کے پاس تھا۔ بحر ہند کا تجارتی راستہ اب ان کی نگرانی میں تھا۔ انڈونیشیا کے مغرب میں آچے صوبے کا تجارتی راستہ پرتگالیوں سے حاصل کیا گیا۔

اسلامی کیلنڈر میں جب 1000 ہجری آیا تو رومن کیلنڈر میں سن 1556 تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب عثمانیوں میں سلیمان کا دور تھا، ہندستان میں اکبر کا جبکہ صفویوں میں تہماسپ یکم کا۔ یہ تینوں بڑی سلطنتوں کا دورِ عروج تھا اگرچہ تینوں کا مزاج بڑا مختلف تھا۔ (تینوں کو "بارود کی سلطنت" کہا جاتا ہے)۔

سلطان سلیمان کے دور میں دو کردار نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان کی بیوی حورم سلطان اور بیٹی محرمہ سلطان۔ تعمیرات کرنے، لنگر بنوانے اور انتظامی معاملات میں فیصلوں میں حورم کا کردار رہا۔ مکہ، مدینہ، یروشلم میں ان کے لنگر چلتے رہے۔ محرمہ سلطان کا کردار ان کے جنگی فیصلوں کے پیچھے نظر آتا ہے۔ سلطان کی آخری جنگی مہم تئیس سال کے امن کے بعد مغرب کی طرف ہوئی۔ یہ بھی محرمہ سلطان کے اصرار پر کی گی تھی۔ شاہ فرڈینںڈ کے انتقال کے بعد ان کے بھائی چارلس پنجم نے خراج کی ادائیگی بند کر دی تھی۔ اس مہم میں محاصرے کے دوران سلطان سلیمان کا انتقال ہو گیا۔

سلطان سلیمان کی وفات کے بعد عثمانی سلطنت کی توسیع رک گئی۔ لیپانٹو کی جنگ میں یورپی طاقتوں نے آپس میں اتحاد کیا۔ وینس، پرتگال، سپین اور پوپ نے عثمانی سلطنت کو شکست دے کر ان کی پیشقدمی روک دی۔ اگرچہ کوئی علاقہ حاصل نہ کر سکے۔

تجارتی نیٹورک برقرار رہے۔ آمدنی اچھی رہی۔ آرٹ پیدا کیا جاتا رہا۔ بغاوت یا خانہ جنگی کا خطرہ نہیں رہا۔ ڈھائی سو سال تک بحیرہ روم کے گرد اس کا قبضہ مضبوط رہا۔ سلطان احمت نے نیلی مسجد بنوائی جو 1616 میں مکمل ہوئی۔

اٹھارہویں صدی کے وسط میں آسٹریا اور روس شمالی سرحد پر حملہ آور رہے جبکہ مشرقی سرحد فارس کے نشانے پر تھی۔ لیکن عثمانی سلطنت دفاع میں زیادہ تر کامیاب رہی۔ جس چیز میں عثمانی پیچھے رہتے گئے، وہ معاشرتی اصلاحات اور ٹیکنالوجی تھیں۔ یورپ کے ساتھ ان کا فرق نمایاں ہونے لگا تھا۔ یہ انیسویں صدی کا آغاز تھا جب اس کے نتائج سامنے آنے لگے۔

اس میں ایک بڑی ہزیمت نپولین کے ہاتھوں ہونے والی 1799 کی شکست تھی۔

ساتھ لگی پہلی تصویر سلطان سلیمان اول کی۔ یہ تصویر انہوں نے 1532 میں بنوائی تھی۔ ان کی ٹوپی وزیرِ اعظم ابراہیم پاشا نے تحفے میں دی تھی۔
دوسری تصویر سلیمان اور حورم سلطان کی بیٹی اور رستم پاشا کی بیوی محرمہ شاہ کی۔ یہ تصویر 1541 میں بنوائی گئی۔

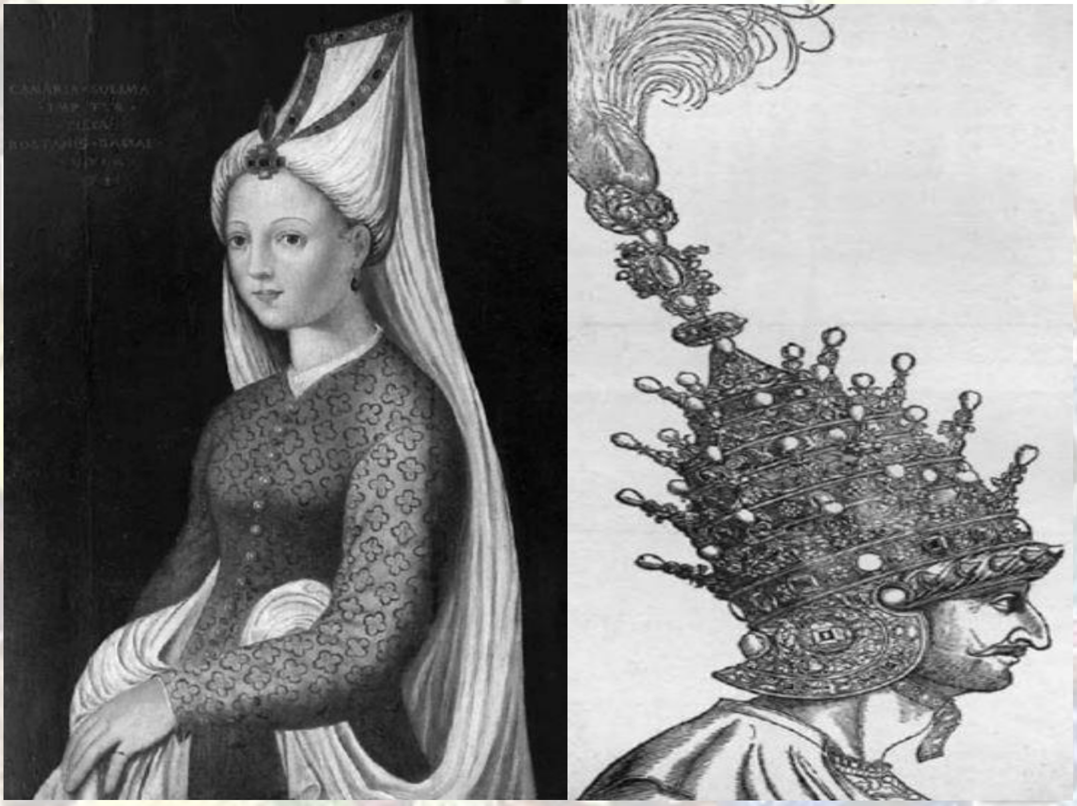

سوال	سر یہ تینوں کو بارود کی سلطنت کیوں کہا جاتا تھا کیا کہانی تھی اس کے پیچھے ؟
جواب	پندرہویں اور سولہویں صدی میں ان کے پھیلاؤ کی ایک وجہ گن پاؤڈر کا جلد استعمال تھا۔اس بارے میں ایک ویڈیو یہاں سے https://youtu.be/hNpcQEGw3S4

4- پگڑی سے تُرکی ٹوپی تک۔ سلطنتِ عثمانیہ

انیسویں صدی کے آغاز میں عثمانیوں میں یہ احساس تھا کہ تبدیلی کی ضرورت ہے لیکن "تنظیمات" (اصلاحات) کی کوشش کی وجہ سے اسٹیبلشمنٹ نے سلطان مصطفےٰ چہارم کو معزول کر دیا تھا۔ اس سے ہونے والی اقتدار کی جنگ کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ یکے بعد دیگرے شاہی خاندان میں ہونے والے قتل

کے بعد سلطان محمود شاہی خاندان میں واحد مرد بچے تھے۔ عثمانیوں نے نپولین سے شکست کھائی تھی۔ مکہ اور مدینہ اب مصر کے گورنر مہت علی پاشا کے پاس تھے اور مہت خود مختاری کے موڈ میں تھے۔ روسیو سے جنگ 1806 میں چھڑ گئی۔ 1808 میں روسی مولڈویا پر قبضہ کر چکے تھے اور والاکیا کا بڑا حصہ ان کے پاس تھا (یہ علاقے موجودہ رومانیہ میں ہیں)۔ دریائے ڈینیوب کے اہم قلعوں پر قبضہ کرلیا گیا۔ 1811 میں عثمانیوں کی طرف سے سفید جھنڈا لہرا دیا گیا۔ عثمانیوں کو جنگ بندی کے عوض بھاری تاوان دینا تھا۔ اس کے لئے اندرونی اور بیرونی ذرائع سے قرضہ حاصل کیا گیا۔ قفقاز کی مسلمان ریاستوں پر جب روس نے قبضہ کیا تو عثمانی، سوائے دیکھنے کے، کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اگرچہ بلقان پر قبضہ برقرار رہا لیکن ان علاقوں میں بغاوت ہوتی رہی۔

شاہی فوج جاںثاروں میں بغاوتیں ہوئیں۔ فوج کی کارکردگی اچھی نہیں رہی تھی۔ دفاع میں نااہلی دکھائی گئی تھی۔ آسانی سے ہتھیار ڈال دئے گئے تھے لیکن سلطان اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ بازپرس کر سکیں۔ فوج، اشرافیہ اور جاگیر دار مضبوط تھے۔

نجد سے مبلغ محمد بن عبدالوہاب کی آمد کے بعد عرب میں عثمانیوں کی پوزیشن کمزور ہوئی تھی۔ 1792 میں نجد کے قبائلی سردار سعود نے نئی ریاست بنا لی تھی۔ شریفِ مکہ نے سعود کے خلاف مہم شروع کی تھی لیکن مقابلہ نہ کر سکے تھے۔ 1798 میں شریفِ مکہ سے علاقہ چھین لیا گیا تھا۔ 1802 میں کربلا کا شہر سعود نے تاراج کر دیا تھا۔ 1803 میں مکہ پر قبضہ ہوا تھا لیکن شریفِ مکہ نے دوبارہ حاصل کر لیا تھا۔ 1805 میں مدینہ پر قبضہ کر لیا تھا اور 1806 میں سعود نے دوبارہ مکہ لے لیا تھا۔ حجاز کو عثمانیوں کے لئے بند کر دیا گیا تھا۔ 1807 میں حج اور عمرہ کے لئے آنے والے عثمانی قافلے لوٹا دئے گئے تھے۔ نمازِ جمعہ کے خطبوں میں عثمانی خلیفہ کے بجائے عبدالعزیز بن محمد بن السعود کا نام لیا جاتا تھا۔

مقاماتِ مقدسہ ہاتھ سے نکل جانا خلافت کے دعوے کے لئے دھچکا تھا۔

مصر میں مہت علی کی پوزیشن مضبوط تھی اور وہ اپنی مرضی کے مالک تھے۔ سلطان محمود کا ان پر کوئی زور نہیں تھا۔ عثمانیوں کی طرح مہت بھی حجاز کی اس نئی طاقت سے خائف تھے۔ 1811 میں انہیں اس نئے مسئلے کو حل کرنے کی ذمہ داری دی گئی۔ دو سال بعد مکہ اور مدینہ وہابی قبضے سے چھڑوا لئے گئے۔ 1818 میں سعودی دارلحکومت الدرعیہ پر مہت علی کے بیٹے ابراہیم پاشا نے قبضہ کر لیا۔ پوری آبادی کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ سعودی امیر عبداللہ بن سعود کو گرفتار کر کے استنبول بھیجا گیا۔ جہاں ایک نمائش لگا کر ان کا سر قلم کر کے دریا میں لڑھکا دیا گیا۔

آج کے گریس (یونان) کا یومِ آزادی پچیس مارچ کو منایا جاتا ہے۔ پچیس مارچ 1821 کو گریس کے تحریکِ آزادی کا آغاز تھا۔ اس روز عثمانی حکومت کے نشان جرمانوس سے گرا دئے گئے تھے۔ یہ بلقان میں اس وقت جاری قوم پرست تحریکوں کا تسلسل تھا۔ ایران میں قاجار سے جنگ چھڑ گئی جو

1820 سے 1823 تک جاری رہی۔ اگرچہ گریس کے باغیوں کو اگلے پانچ برس میں کچل دیا گیا لیکن اکتوبر 1827 کو عثمانی اور مصری مشترک بحری بیڑے کی ناوارینو میں غرقیابی کا مطلب سمندروں پر یورپیوں کی مکمل بالادستی تھا۔

اس بیڑے کو غرق کرنے کے چندماہ بعد اپریل 1828 میں روس نے اعلانِ جنگ کر دیا۔ مولڈویا سے ہوتے ہوئے ادرنہ تک پہنچ گئے جو استنبول سے صرف دوسو کلومیٹر دور تھا۔ اس میں ہونے والے معاہدے کے نتیجے میں گریس کو ترکی سے آزادی مل گئی۔ مئی 1832 میں گریس عثمانیوں سے الگ ہو کر باقاعدہ بادشاہت بن گئی۔

اب سلطان محمود قائل ہو چکے تھے کہ معاملات ایسے نہیں چل سکتے۔ تنظیمات کا وقت تھا۔

محمود پہلے عثمانی سلطان تھے جو صوبوں کے دورے پر یہ دیکھنے نکلے کہ لوگ رہتے کیسے ہیں۔ انہوں نے پانچ ایسے ٹور کئے۔ عوامی پراجیکٹ دیکھتے۔ مقامی معززین سے ملاقات کرتے اور عام لوگوں کی شکایات سنتے۔ وزاتِ داخلہ، وزارتِ خارجہ اور وزارتِ انصاف پہلی مرتبہ بنائے گئے۔

سر قلم کر دئے جانا عام تھا۔ بڑے سرکاری افسروں کے سر بھی سلطان کے ایک حکم کے بعد گردن پر نہیں رہتے تھے۔ "بغیر تمام پراسس مکمل کئے، کچھ نہیں ہو گا"۔ یہ سلطان کا نیا حکم تھا۔ شاہی فوج (جانثاری) کو ختم کر دیا گیا۔ ساتھ ہی ان کے درویشوں کے سلسلے بیکتاشی کو بھی۔ ان کے پسِ منظر میں چلے جانے کے بعد نقشبندی سلسلہ آنے والی دہائیوں میں بااثر رہا۔

اشرافیہ اور عوام کے لباسوں میں قانوناً فرق تھا۔ 1814 میں حکم جاری ہوا تھا کہ عام لوگ خواص جیسا حلیہ بنانے کی کوشش نہ کریں۔ تاجر یا سپاہی شال نہیں لپیٹ سکتے۔ سر پر ریشم کی لائننگ والی پگڑی نہیں پہن سکتے۔ حکم نامے میں لکھا تھا "وہی لباس پہنا جائے جو طبقے سے خاص ہے، اس بارے میں بہت ڈھیل دے دی گئی ہے لیکن اب سخت کارروائی ہو گی"۔ 1829 میں اس حکمنامے کو ختم کر دیا گیا۔ پھندنے والی ترکی ٹوپی (fez) کا فیشن باقاعدہ حکم کے طور پر شروع ہوا۔ یہ عوامی ٹوپی تھی جس میں طبقاتی فرق نہیں تھا۔ سرکاری ملازمین کے لئے پگڑی منع ہو گئی۔ سادہ ترکی ٹوپی لازم قرار پائی۔ یہی ٹوپی دفتر میں، بازار میں اور مسجد میں استعمال ہو سکتی تھی۔ (عثمانی سلطنت کے خاتمے کے بعد 1925 میں اس ٹوپی ماضی کا فرسودہ نشان کہہ کر ممنوع قرار دیا گیا حالانکہ اپنے وقت میں یہ انقلابی قدم تھا)۔ پینٹ شرٹ اور اس کے اوپر فراک کوٹ (استمبولین) کو لباس کے طور پر سلطان نے خود رائج کیا۔ یہ ایک غیر طبقاتی لباس تھا۔ "لباس پیشے، مذہب اور دولت کو ظاہر نہ کرے"۔ یہ سلطان محمود کی کی گئی "لباس کی اصلاحات" تھیں۔

مصر کے گورنر نے استنبول پر فوج کشی فروری 1833 میں کی۔ سلطان محمود کو اپنے گورنر سے بچاؤ کے لئے دیرینہ دشمن زارِ روس سے مدد طلب کرنا پڑی۔ صلح کی شرائط مہت علی کے لئے بہت فائدہ مند رہیں۔ مصر کے علاوہ حلب، دمشق، ٹریپولی (سیریا)، کریٹ، بیروت، یروشلم اور نیبولس کی گورنرشپ بھی مل گئی اور ان کے بیٹے کو جدہ، مکہ اور حبش کی۔ اور عدنہ میں ٹیکس کلکشن بھی سپرد ہو گئی۔ لیکن مہمت ان شرائط سے خوش نہیں تھے

کیونکہ اس میں مصر کو ٹیکس ویسے ہی ادا کرتے رہنا تھا اور ان کے بیٹے کی گورنر شپ کا سالانہ ریویو ہونا تھا اور اس کی گورنر شپ کا جاری رہنا کارکردگی سے مشروط تھا۔

مہمت علی اور عثمانیوں کے جنگ 1839 میں پھر چھڑ گئی۔ اس بار جرمنی، آسٹریا، فرانس، برطانیہ اور روس نے درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کروایا جس کے نتیجے میں "شام میں امن کا معاہدہ" طے ہوا۔ اس میں مہمت کو اضافی گورنر شپ سے محروم کر دیا گیا لیکن مصر کی گورنر شپ کا عہدہ مستقل ہو گیا اور مہمت کے خاندان میں وراثتی منتقلی طے ہو گئی۔ عملی طور پر عثمانی سلطنت برطانویوں کی حفاظت میں آ گئی تھی۔

یہ وہ پس منظر تھا جب نئے آنے والے عثمانی سلطان عبد المجید نے نومبر 1839 میں "گولہانے فرمان" جاری کیا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ حکومت اور عوام کا رشتہ رفاقت کا ہے۔ پچھلے ڈیڑھ سو سال کے زوال کی وجہ سلطانی قانون کی پاسداری نہ کرنا ہے۔ حکومت کی طرف سے اچھی انتظامیہ دی جائے گی۔ جان و مال کی حفاظت ہو گی۔ عزت ملی گی۔ ٹیکسوں کا نظام بہتر ہو گا۔ فوج میں تبدیلیاں ہوں گی۔ فوج کے بے تحاشا اخراجات کم کئے جائیں گے اور اس کو قانون کے ماتحت بنایا جائے گا۔ رشوت کا خاتمہ ہو گا۔ قانون پر عملدرآمد کرتے وقت کسی کا رتبہ نہیں دیکھا جائے گا۔ رعایا کا کام ریاست سے وفاداری ہے اور احکامات پر عمل کرنا ہو گا۔ سخت تبدیلیاں آئیں گی۔ فائدہ عثمانی عوام اور دوست ریاستوں کا ہے۔

سوال	عبد الوہاب نجدی اور کرنل لارنس نے کیا گل کھلایا حرمین میں
جواب	عبدالوہاب کا انتقال 1792 میں ہوا۔ برطانوی کرنل لارنس کی پیدائش 1888 میں ہوئی۔
سوال	سر، مغلوں اور عثمانیوں میں ڈسکنیکٹ کی کیا وجہ تھی. اگر عثمانی امت کی خلافت کے دعوے دار تھے تو پھر مغلیہ سلطنت کیسے وجود میں آ گئی؟
جواب	عثمانیہ سلطنت مسلمان مراکز کے تھوڑے حصے پر تھی۔ اس میں بڑی آبادی والے حصے شامل نہیں تھے۔ اگر آج کے نقشے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو پاکستان، بنگلہ دیش، ہند کے علاوہ انڈونیشیا، ملیشیا، قازقستان، ازبکستان، افغانستان، ایران، نائجیریا، ترکمانستان، صومالیہ، تنزانیہ، مراکش، مالی کبھی اس سلطنت کا حصہ نہیں رہے۔
سوال	کیا اس زمانے میں کسی قسم کے اسلامک بلاک کا تصور نہیں تھا؟
جواب	اس حد تک تو تصور موجود تھا کہ مذہبی طور پر ایک ہونا رابطے اور دوستی میں مدد کرتا تھا۔ تاہم سیاسی اکائی کا تصور جدید دنیا کا ہے۔

5-شناخت کا بحران۔ سلطنتِ عثمانیہ

سلطان عبدالمجید کا تعلق نقشبندی سلسلے کی حالیدی شاخ سے تھا۔ جو اپنا تعلق شیخ حالد بغدادی کے دمشق کے مزار سے جوڑتے تھے۔ اعلیٰ عہدیداران کا انتخاب بھی اسی سلسلے سے کیا گیا تھا۔ ان کا سلطان بننے کے بعد پہلا کام ایک مسجد، ایک خانقاہ اور ایک مزار کی تعمیر تھا جبکہ گولہانے فرمان حکمرانی کی سمت کا اعلان تھا۔ اس میں آغاز اس سے کیا گیا تھا کہ ریاست نمازِ پنج وقتہ پڑھنے کی ترغیب دے گی۔ اس کے بعد ایک نیا عمرانی معاہدہ پیش کیا گیا تھا۔ حکومت کی طرف سے اچھی گورنس، عوام کی طرف سے سلطنت سے وفاداری۔ سلطانی فرمان کے بجائے قانون کی بات کی گئی تھی، جو ایک بڑی تبدیلی تھی۔ اسی سال قانون میں کھیتوں میں جبری مشقت ختم کی گئی۔ لیکن عملی طور پر یہ نہ ہو سکا۔ وجہ یہ تھی کہ مرکزی اور مقامی حکومتوں میں لوگ ہی وہی تھے جو اس سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ خالی خزانے، ان پڑھ عوام، ناقص انفراسٹرکچر، رابطوں کے نظاموں کے فقدان کے باعث پیشکردہ اصلاحات تھیوری سے عمل کی طرف زیادہ نہ جا سکیں۔ خاص طور پر مرکز سے دور علاقوں میں۔

کرنسی ڈی ویلیو کی گئی۔ پچھلے سلطان کے دور میں جانثاروں نے یہ کوشش روک دی تھی۔ اس مرتبہ یہ آسانی سے ہو گیا۔ لیکن ملک کے معاشی حالات ابتر تھے۔ کاغذی کرنسی جاری ہوئی جو آٹھ سال کے ٹریژری بانڈ کی شکل میں تھی۔ اس پر شرحِ سود ساڑھے بارہ فیصد مقرر ہوئی اور 1844 میں کرنسی کا ریٹ سونے سے منسلک کیا گیا۔ یہ جدت مصر سے سیکھی گئی تھی۔

تعلیم اور قانون کے شعبوں میں اصلاحات آئیں۔ 1850 میں وزارتِ تعلیم بنی اور دس سے پندرہ سال کے لڑکوں کے سیکولر تعلیم کے سکول سلطنت پہلی بار قائم ہوئے۔ دیہی سروے کا سسٹم بنایا گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اصلاحات کی رفتار بہت سست تھی۔ جاگیرداری نظام سے جبری مشقت کا طریقہ ختم کرنے پر زور دینے سے جاگیرداروں کی طرف سے شدید مزاحمت آئی۔ حکومت نے فیصلہ کیا کہ ایسے تنازعے مقامی سطح پر نمٹے جائیں گے۔ اور اس کا مطلب سٹیٹس کو برقرار رکھنا تھا کیونکہ مقامی سطح پر شنوائی انہی جاگیرداروں نے کرنی تھی۔

لندن میں 1851 کی نمائش میں پہلی بار عثمانی سلطنت نے شرکت کی جس میں سات سو نمائش کنندگان نے زراعت، صنعت، آرٹ اور دستکاری کو شو کیس کیا۔ پیداوار اور برآمدات کی طرف توجہ کی یہ ایک مثال تھی۔ مغرب میں آنے والے صنعتی انقلاب کو زراعت اور مینوفیکچرنگ میں رفتہ رفتہ اپنا کر پروڈکشن بڑھانا، ڈومیسٹک منڈیوں کو اکٹھا بنانا، بین الاقوامی منڈیوں تک رسائی کی کوشش 1839 سے 1853 تک سلطنتِ عثمانیہ کی طرف سے کی جانے والی اندرونی جنگ تھی۔ بیرونی تاجروں کو اپنے ملک کی رسائی دینے سے پرانی اجارہ داریاں ٹوٹنا شروع ہو گئیں تھیں۔

سلطان عبدالمجید کے حکم پر استنبول میں صدیوں پرانی غلاموں کی منڈی 1846 میں بند کر دی گئی۔ کئی لوگوں کا روزگار اس سے وابستہ تھا۔ اس خبر پر جدہ میں احتجاج ہوئے۔ مسلح تصادم بھی ہوئے لیکن 1857 میں سلطنت بھر میں غلاموں کی تجارت غیر قانونی قرار دے دی گئی۔ (اگرچہ رکھنے پر پابندی نہیں لگائی گئی اور غلامی سلطنت کے خاتمہ کے بعد ممنوع قرار پائی)۔

روس کے ساتھ کریمیا کی جنگ 1854 میں شروع ہوئی۔ اس جنگ کی وجہ یروشلم میں آرتھوڈوکس کرسچن کے مقدس مقامات تھے جن پر زارِ روس نے کنٹرول طلب کیا تھا۔ اس جنگ میں عثمانیوں کو اپنے اتحادی فرانس، برطانیہ کی صورت میں مل گئے۔ روس نے برطانیہ کے اثر کا غلط اندازہ لگایا تھا اور اس کو 1856 میں جنگ بند کرنا پڑی۔ لیکن پیرس امن معاہدے کا ایک سائیڈ ایفیکٹ عثمانی سلطنت کے برطانیہ پر مزید انحصار کی صورت میں نکلا۔ اور اس کا نتیجہ اصلاحات کا بڑھنے والا دباؤ تھا۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

عثمانی سلطانوں میں اپنے شہر سے باہر جانے کا رواج نہیں تھا، ماسوائے فوج کے سربراہ کے طور پر۔ ملک سے باہر جانے کا تو بالکل بھی نہیں۔ سلطان عبدالمجید کے بعد آنے والے سلطان عبدالعزیز وہ پہلے اور واحد سلطان تھے جو کسی بھی غیر ملکی دورے پر گئے۔ انہوں نے 1867 میں گیارہ روز ملکہ وکٹوریا کے مہمان کے طور پر اور چھ ہفتے فرانس کے دورے میں گزارے۔ اس دورے میں مصر کے گورنر خدیوی اسماعیل بھی تھے جنہوں نے نہر سویز کے لئے فرانس سے بڑا معاہدہ کیا اور قرضہ حاصل کیا۔ یہ نہر مصر کے لئے بہت بڑی کامیابی تھی۔ اس نہر کے افتتاح پر تین ہفتے مصر میں جشن منایا گیا جس میں دنیا بھر سے لوگوں کو مدعو کیا گیا۔

یہ وقت سلطان عبدالعزیز اور خدیوی اسماعیل کی رقابت کا تھا۔ کیا قاہرہ استنبول سے زیادہ طاقتور بن سکتا تھا؟ کہیں خلافت کا مرکز ترک سے عرب تو نہیں چلا جائے گا؟ یہ خوف سلطان کو رہا۔ یہ وہ وقت تھا جب عثمانیہ سلطنت کی ابتدا کا رومانس تخلیق کیا گیا۔ سلطنت کے بانیوں کے، ان کی شجاعت و دانائی کے فسانے بنے۔ ماضی کی دھندلی تصویر میں رنگ بھرے گئے۔ سوگت میں مقبرے بنائے گئے۔ فوج کے روایتی لباس میں عثمانی لکھوایا گیا۔ عثمانی سلطنت کے ابتدا کی تاریخ 1299 مقرر کی گئی۔ اپریل 1862 کو بورصہ میں عثمان کی قبر پر "عثمانی آرڈر" چڑھایا گیا جس میں جواہرات لگے تھے۔ یہ سب یہ بتانے کے لئے تھا کہ عثمانیہ خاندان ماضی کی دھند نہیں۔ تابناک ماضی اور آغاز رکھتا ہے۔ سلطنت کی شناخت عثمانیوں کا خاندان ہے۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

ایک نئی سوسائٹی "محبِ الوطنوں کا اتحاد" کے نام سے 1865 میں قائم ہوئی۔ دانشوروں کا یہ گروپ "نوجوان عثمانی" کہلایا۔ ان کا خیال تھا کہ محض روشن خیال آمریت اور اچھی گورننس کافی نہیں۔ عوام کی حکومت میں شرکت ضروری ہے۔ آئین اور لبرل ازم ضروری ہیں۔ عثمانی اسلامی کلچر کو برقرار رکھتے ہوئے نئے خیالات کی ضرورت ہے۔ اس گروپ کی سزا سنسر شپ اور جلاوطنی ٹھہری۔

تعلیمی پسماندگی بڑا مسئلہ تھی۔ تنظیمات کا مقصد بھی عام تعلیم نہیں تھا۔ عوام کے لئے چند سکول بنائے گئے تھے۔ 1869 میں عام تعلیم کے لئے قواعد و ضوابط بنے جو 1876 میں نافذ ہوئے۔ اس میں پرائمری، سیکنڈری اور اس سے آگے کی تعلیم کا سسٹم تھا۔ یہ سسٹم اس وقت کی روایتی تعلیم کے متوازی بنایا گیا تھا۔

نئے سول قوانین بنانے میں کئی برس لگے۔ ان کو فرنچ سول کوڈ کی طرز پر بنایا گیا تھا۔ بینک کا ادارہ 1840 کی دہائی میں شروع ہوا تا کہ تجارت کی جا سکے۔ پہلی ٹرین کی چھوٹی سی پٹڑی ازمیر سے بحر اسود کے ساحل تک 1873 میں بچھائی گئی۔

سلطان نے دفاعی سامان کی بھاری خریداری کی تھی۔ 1873 میں ہونے والا عالمی منڈیوں کا کریش، اناطولیہ میں اسی دوران قحط اور سیلاب۔ ٹیکس کے نظام میں تبدیلیوں سے محصول میں کمی۔ 1875 میں عثمانی حکومت نے اعلان کیا کہ وہ قرضے واپس کرنے کے قابل نہیں رہی اور ڈیفالٹ کر گئی۔

اس وقت میں عثمانی شناخت کے بحران کا شکار تھے۔ "ہم کون ہیں"، "ہمیں کیا ہو گیا ہے"، "کیا ہم محض نقال ہیں"، "کیا کبھی بھی واپس اٹھ سکیں گے"۔ انٹلکچوئل حلقوں میں یہ سوال ہونے لگے تھے۔ مارچ 1876 کو ایک پمفلٹ شائع ہوا "مسلم حب الوطنوں کا منشور"۔ اس میں انتخابات کروانے اور مشاورتی اسمبلی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ بااثر حلقوں میں عثمانیوں کے خلاف تحریک چل رہی تھی۔ سلطان نے اس کا جواب سنسر شپ اور ٹیلی گراف بند کرنے سے دیا۔ لیکن اس کا فائدہ نہیں ہوا۔ ایک مہینے کے آخر میں سلطان عبدالعزیز کو معزول کیا جا چکا تھا۔ یہ بہت احتیاط سے کی جانے والی بغاوت تھی جس میں اہم وزراء شامل تھے۔ نیا سلطان ان کے ولی عہد مراد پنجم کو بنایا گیا۔ مراد پنجم صرف تین ماہ حکمران رہے۔ ان کو بھی اسٹیبلشمنٹ نے معزول کر دیا۔ مراد کو چراغاں محل میں گرفتار کر کے اگلا سلطان مراد کے بھائی عبدالحمید دوئم کو بنا دیا گیا۔

اپریل 1876 کو بلغاریہ کے صوبے پلوڈیو میں بغاوت ہوئی۔ اس کے نتیجے میں ہونے والے واقعات میں روس نے اپریل 1877 کو عثمانیوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ بیس سال امن کے بعد یہ جنگ عثمانیوں کو بہت مہنگی پڑی۔ بلغاریہ کے تین حصے کر دئے گئے جن میں سے ایک عثمانیوں کے پاس رہا۔ ایک نیم خود مختار اور ایک آزاد۔ روس نے باتومی، قارص، اور اردہان کا علاقہ لے لیا۔ سربیا، رومانیہ اور مونٹی نیگرو کو آزادی مل گئی۔ بوسنیا اور

ہرزیگووینا آسٹروہنگری سلطنت کے پاس چلا گیا۔ جن علاقوں پر روس نے قبضہ کر لیا تھا اور صلح کے معاہدے میں ان سے دستبردار ہوا، اس کے عوض اسی کروڑ پچیس لاکھ فرانک ہرجانہ لگا دیا گیا۔

ایک صدی میں عثمانی اپنی سلطنت کا ایک تہائی علاقہ کھو چکے تھے۔ آسٹروہنگری سلطنت عثمانیوں کا علاقہ تو حاصل کر چکی تھی لیکن یہ ان کے لئے دردِ سر بن گیا۔ وہ مسئلہ جو عثمانیوں کو تھا، وہ اب یہاں تک پہنچ گیا۔ اب یہ سلطنت بھی کئی قومیتوں اور مذہبوں پر مشتمل لوگوں کی تھی۔ اس بادشاہت کو بھی نیشنلزم سے واسطہ پڑ گیا۔ مقامی آبادی کو کنٹرول کرنے کا مسئلہ تھا۔ بڑے علاقے کے روس کے خلاف دفاع کا مسئلہ تھا۔ یہ وہ مسائل تھے جنہوں نے ہیبسبرگ سلطنت کو عثمانی سلطنت سے بھی پہلے ختم کر دیا۔ برلن معاہدے میں ملنے والا علاقہ ان کے جلد انہدام کا سبب بن گیا۔

ساتھ لگی تصویر توپکاپی محل کے شاہی فوارے کی ہے۔ یہ فوارہ اس محل میں سلطان احمت سوئم نے تعمیر کروایا تھا۔ یہ تصویر سویڈش فوٹوگرافر گوالوم برگرن نے 1880 میں کھینچی تھی۔

6-اسلامی خلافت۔ سلطنتِ عثمانیہ

سلطان عبد الحمید دوئم آخری با اختیار سلطان تھے۔ تاریخ نے انہیں اچھے الفاظ میں یاد نہیں کیا۔ جس طرح سلطان سلیمان کو مغربی مورخین نے بہترین سلطان کہا ہے اور magnificent کہہ کر یاد کیا ہے،

وہاں عبد الحمید کا معاملہ برعکس ہے۔ ان کے لئے جو لفظ استعمال کیا گیا ہے، وہ Damned کا ہے

یا پھر سرخ سلطان کا۔ ایسی سلطنت کا ظالم اور خبطی سربراہ جس کے دن تھوڑے رہ گئے تھے۔ 1876 سے 1909 تک سلطان رہنے والے عبد الحمید دوئم جدید ترکی میں ایک متنازعہ شخصیت ہیں۔ کسی کمالسٹ سے پوچھا جائے کہ عثمانی سلطنت کی تمام خرابیوں کو ایک لفظ میں بیان کریں تو وہ لفظ عبد الحمید ہو گا جن کے شرمناک برسوں کو صاف کرنا مصطفٰی کمال کی سب سے بڑی کامیابی تھی جبکہ دائیں بازو کے جنونیوں میں ایسے مداح بھی ملیں گے جن کے لئے عبد المجید بڑے ہیرو ہوں گے، جنہوں نے اصلاحات جیسے جنجھٹ اور نئے تجربات کو ختم کیا اور اسلامی تشخص قائم کیا۔ عثمانی سلطنت کیا تھی؟ بہت سے لوگوں کے لئے اس کا تاثر صرف سلطان عبد الحمید کے دور کا ہے۔

ناقدین میں ایک طرف عبد الحمید کے سیکولر مخالف یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے مذہبی جنونیت کو پھیلایا۔ دوسری طرف ترک سائنس مخالف مصنف ہارون یحییٰ (عدنان اوکتار) لکھتے ہیں کہ "سلطان عبد الحمید نے ڈارون کے نظریہ ارتقا کی تعلیم کو سلطنت میں پھیلا کر اسلام کو کمزور کیا اور ان کی پھیلائی مادہ پرست سوچ نے سلطنت کا شیرازہ بکھیر دیا"۔ ایک طرف انکو اسلام کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کا الزام دیا جاتا ہے جبکہ دوسری طرف باہیا فرحت لکھتے ہیں کہ "عبد الحمید نے فلسطین پر صیہونی تسلط قائم کروانے کردار ادا کیا"۔ سلطان عبد الحمید دوئم کون تھے؟ انکو سمجھنے کے لئے ان کے وقت کو سمجھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ عبد المجید کی مثال ہمیں بتاتی ہے کہ تاریخ کو پرکھنے کے لئے اس وقت کے تناظر سے واقفیت ضروری ہے نہ کہ کسی بھی خاص ماڈرن ایجنڈا کو سپورٹ کرنے کی۔

تین براعظموں پر پھیلی صدیوں پرانی طاقتور سپرپاور انحطاط کا شکار تھی۔ یورپی علاقے چھن جانے کا مطلب یہ تھا کہ سلطنت میں غیر مسلم آبادیوں کی اکثریت سلطنت کا حصہ نہیں رہی تھی۔ ماسوائے آرمینیا اور گریس کے، تمام علاقے مسلم اکثریت والے تھے۔ سلطان کی اپنی طاقت زوال کا شکار تھی۔ یکے بعد دیگرے دو سلطانوں کو عہدے سے ہٹایا جا چکا تھا۔ یہ سب تبدیلی بہت جلد آئی تھی۔ ایک نئے تشخص اور فارمیٹ کی ضرورت تھی۔ یہاں پر انہوں نے اسلام کو سیمنٹ کے طور پر استعمال کیا۔

عبد الحمید کو ڈرامہ اور یورپی موسیقی پسند تھی۔ انہوں نے یلدیز میں اپنے محل میں تھیٹر بنوایا تھا کہ اس سے لطف اندوز ہو سکیں۔ یہاں اطالوی موسیقار پرفارم کرتے تھے۔ شرلاک ہومز کا کردار پسند تھا اور سونے سے پہلے ان کی کہانیوں کو پڑھا کرتے تھے۔ جوڑ توڑ کے ماہر ایک زیرک اور موقع شناس سیاستدان تھے۔ جب وہ سلطان نہیں تھے تو انہوں نے درپردہ اسٹیبلشمنٹ کو عندیہ دیا تھا کہ سلطان بن کر وہ جلد آئین بنانے کی حمایت کریں گے۔ سلطان مراد پنجم کو برطرف کر کے ان کے سلطان بنائے جانے کی یہ ایک بڑی وجہ تھی۔ سلطان بننے کے تین ماہ بعد، انہوں نے عثمانی آئین کا اعلان کر دیا اور پہلی عثمانی پارلیمنٹ قائم کر دی۔

عثمانی دور کے ایک کردار مدحت پاشا ہیں جو برسوں تک آئین بنانے کی تحریک میں سرگرم رہے۔ وہ جس علاقے کے گورنر رہے، وہاں پر مخالفت اور تنقید کے باوجود اصلاحات نافذ کیں۔ پچھلے دو سلطانوں کو ہٹانے میں ان کا اہم کردار رہا تھا۔ عبد الحمید نے سلطان بننے کے چار روز بعد مدحت پاشا کو وزیرِ اعظم بنا دیا۔ چھ ہفتے بعد مدحت معزول کئے جا چکے تھے اور جلا وطن ہو گئے تھے۔ آئین کو 14 فروری 1878 کو معطل کر دیا گیا۔ پارلیمنٹ کو بننے کو ابھی ایک سال بھی نہیں ہوا تھا کہ اسے تحلیل کر دیا گیا۔ عبد الحمید کی ترجیح باقی ماندہ عثمانی سلطنت کو ہر قیمت پر یکجا رکھنا تھا۔

ان کے اقدامات کے بعد ان کے بھائی اور چراغاں محل میں گرفتار مراد پنجم کو واپس تخت پر لانے کی کوشش کی گئی۔ 20 مئی 1878 کو مراد پنجم منصوبے سے واقف اور خلیفہ بننے کے لئے لباس پہنے انتظار میں بیٹھے تھے لیکن اس بار کوشش ناکام رہی۔ اس منصوبے میں شامل لوگوں کو سخت سزائیں دی گئیں۔ مراد پنجم کو سخت قیدِ تنہائی دے دی گئی۔ ویسی ہی جیسے مراد کے اپنے دور میں اس سے پچھلے سلطان عبد العزیز کو دی گئی تھی۔ اس میں گزارے گئے ہفتوں میں سوائے موت کے انتظار کے اور کچھ بھی کرنے کو نہیں تھا۔ یہاں تک کہ پینے کے صاف پانی تک رسائی بھی نہیں تھی۔

سلطان عبد الحمید نے روس کے ساتھ امن معاہدے کو اسلام اور عثمانیوں کے خلاف سازش قرار دیا۔ اس معاہدے کے تحت سلطنت کا آٹھ فیصد علاقہ اور بیس فیصد آبادی الگ ہو گئی تھی۔ ان کے خیال میں ملک کو یکجہتی اور مضبوط لیڈر کی ضرورت تھی اور تنظیمات (اصلاح پسندی) والی عثمانیت اس کا حل نہیں تھی۔ نئی یورپی فکر مقامی سطح پر علیحدگی پسندی کو ہوا دے رہی تھی۔ عالمی نمائشوں میں حصہ لینے جیسے اقدامات سے عظیم سلطنت کا مذاق اڑنے کا اندیشہ تھا۔

عثمانی سلطان اپنے لئے خلیفہ کا لقب سولہویں صدی میں سلیم اول کے دور میں عباسی خلیفہ کی گرفتاری کے بعد سے استعمال کرتے آ رہے تھے لیکن عبد الحمید سے پہلے اس لقب کے بارے میں زیادہ سنجیدگی نہیں دکھائی گئی تھی۔ عبد الحمید کے لئے خلیفہ کی پوزیشن سلطان سے زیادہ اہم تھی۔

عبدالحمید کو ایک اور خدشہ بھی تھا اور وہ عرب تھے۔ نہ صرف عرب علیحدگی پسند تحریک اٹھ سکتی تھی بلکہ وہ خلافت کے دعوے کو بھی چیلنج کرسکتے تھے۔ مصر میں 1881 میں عوامی حمایت سے ہونے والی عسکری بغاوت اس کی مثال تھی۔ برطانوی ایسی تحریک کی پشت پناہی کرسکتے تھے۔ عبدالحمید کا خوف بے جا نہیں تھا۔ حجاز میں ان کے نمائندے شریف حسین نے ان کے اقتدار کے آغاز میں برطانویوں سے رابطے کئے تھے۔ انیسویں صدی میں مکہ اور مدینہ کو وہابی قبضے سے چھڑوانے میں مہمت علی نے مدد کی تھی۔ حجاز پر قبضہ رکھنا ضروری تھا۔ اگر یہ ہاتھ سے نکل جاتا تو استنبول کے سلطان کو خلافت کا ٹائٹل استعمال کرنے پر سوال کھڑے ہوسکتے تھے۔ عربوں کی حالت عثمانی دور میں پسماندہ رہی تھی۔ بدو قبائل سلطنت کے وفادار نہیں سمجھے جاتے تھے۔

حجاز میں گورنر عثمان نوری پاشا نے انفراسٹرکچر کی طرف 1880 کی دہائی میں توجہ دینا شروع کی۔ ترقیاتی کام، مکہ میں پانی کے نظام کی تعمیر اور مرمت، صوبائی کیلنڈروں کی چھپوائی۔ عرب صوبوں کے گورنروں کی تنخواہیں بڑھائی گئیں۔ سرکاری رجسٹروں میں عرب صوبوں کا نام بلقان اور اناطولیہ سے آگے کردیا گیا۔ 1900 سے 1908 کے درمیان دمشق سے مدینہ تک حجاز ریلوے بچھائی گئی، جس سے عمرہ و حج کا سفر پہلے سے بہت آسان ہوگیا۔

شاہی محل میں پہلی بار عربوں کو جگہ دی گئی۔ شام میں عرب نیشنلزم اور پین عرب ازم ابھر رہا تھا۔ اس سے نمٹنے کے لئے شام کے پریس سے نکلنے والی کسی بھی تحریر کی سنسرشپ سے کلئیرنس استبول سے کروانا لازمی قرار پایا۔ "نہ شامی، نہ عرب، صرف مسلم"۔ اس موثر نعرے اور پالیسی کے لئے ابو الہدیٰ السیدی جیسے لوگوں نے اہم کردار ادا کیا۔

عبدالحمید نے سلطان کے لوگوں سے رابطے کی پالیسی بھی بدل دی۔ ان کو اپنے ہٹائے جانے کا خوف رہا اور یہ بھی بے جا نہ تھا۔ ان کے خلاف 1895، 1896 اور 1902 میں ہٹائے جانے کی کوشش ہوئی۔ اور ان کو قتل کئے جانے کے منصوبے 1899 اور 1905 میں پکڑے گئے۔

غیر عثمانی مسلمانوں کو خلافت کو تسلیم کرنے کی اپیل کی جاتی رہی۔ مسلمان آبادیوں کے کئی بڑے مراکز کبھی عثمانی سطنت کا حصہ نہیں رہے۔ سابقہ سلطان خلافت کے ٹائٹل کو باقی دنیا پر اپنے سیاسی اثر اور مفاد کے لئے استعمال کرتے رہے۔ مثلاً، جب ہندستان میں 1857 کی جنگِ آزادی ہوئی تو برطانویوں نے اس وقت کے خلیفہ عبدالمجید کو کہا تھا کہ وہ ان کی مدد کریں۔ عبدالمجید نے برٹش سرکار سے تعاون کرتے ہوئے ہندوستانیوں کے نام خط لکھا تھا جو ہندستان کی مساجد میں پڑھا گیا کہ ہندستانی مسلمان برطانوی راج سے بغاوت کا راستہ ترک کردیں۔ عبدالحمید نے "سلطان پہلے" کی اس پالیسی کو تبدیل کرکے "خلیفہ پہلے" میں تبدیل کیا۔

عثمانی سلطنت نے 1903 میں پلان کیا کہ خلافت کے 400 سال مکمل ہونے پر دنیا بھر سے مسلمان لیڈروں کو بلا کر کانفرنس کی جائے گی۔ اس میں آسٹریلیا، چین، روس تک کے راہنماؤں کو شامل کیا جائے۔ ایسی کوئی تقریب پہلے نہیں ہوئی تھی۔ اس کی تیاریاں شروع کردی گئی تھیں لیکن پہلی جنگِ عظیم چھڑ جانے کی وجہ سے یہ کانفرنس منعقد نہ ہوسکی۔

عثمانی سلطنت کا سب سے بڑا مسئلہ معیشت تھا۔ سلطان عبد الحمید کے دور میں حکومتی اخراجات میں اضافہ ہوا۔ بجٹ کا 60 فیصد سے زیادہ فوج اور بیوروکریسی پر نکل جاتا تھا۔ 30 فیصد سے زیادہ قرض اتارنے پر جبکہ کُل صرف پانچ فیصد تھا جو تعلیم، صحت، زراعت، تجارت اور ترقیاتی کاموں پر خرچ ہوتا تھا۔

وزیرِ اعظم کا عہدہ غیر مستحکم رہا۔ عبد الحمید نے اپنے پہلے چھ برسوں میں 16 وزیرِ اعظم بدلے۔ اس کے بعد نسبتاً ٹھہراؤ آ گیا۔ مہمت سید پاشا، مہمت کامل پاشا، احمد سوات پاشا، حلیل رفعت پاشا اور مہمت فرید پاشا زیادہ دیر وزیرِ اعظم رہے۔ اگرچہ سلطان سے بحث کی اجازت تھی لیکن سلطان کے آخری فیصلے سے اتفاق نہ کرنے کا مطلب عہدے سے برخواستگی تھا۔ سلطان کے ساتھ بغیر سوال کئے شخصی وفاداری کسی بھی سرکاری عہدیدار کے لئے لازم تھی اور سر کو گردن پر سلامت رکھنے کے لئے ضروری بھی۔

عبد الحمید کا خیال تھا کہ بلقان صوبوں کے الگ ہونے کی وجہ طاقت کا مرکز میں اکٹھا نہ رکھنے کی پالیسی تھی۔ بغاوت کی کسی بھی علامت کو سختی سے نمٹ لینے اور کوئی رعایت نہ دینے کی پالیسی البانیہ میں کامیاب رہی۔ حریت پسند البانیہ لیگ کو سلطان کی آرمی نے 1881 میں کچل دیا۔ کُردوں سے مقابلہ کرنے کے لئے غیر رسمی "حمیدی" فوج استعمال کی۔ حمیدی اور آرمینا کے درمیان 1895 میں جھڑپیں ہوئی اور اگلے برس میں آرمینن، کرد اور ترک ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔ 1897 میں گریس کے شاہ جارج نے جب کریٹ لینے کے لئے حملہ کیا تو جرمنی سے اتحاد کر کے گریس کو شکستِ فاش دی اور امن کے بدلے بھاری معاوضہ حاصل کیا۔

عثمانی انٹلکچوئل عبد الحمید کے مقاصد کے حق میں تھے لیکن طریقوں کے حق میں بالکل نہیں۔ شخصی آمریت کا یہ طریقہ کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔ رومانٹک لبرل، مذہبی علماء، آئین پسند، سرکاری آفیشل۔۔۔ سبھی اس سے خائف تھے۔ 1889 میں ایک ملٹری میڈیکل کالج میں ایک خفیہ تنظیم بنی جس کا مقصد پارلیمنٹ اور آئین کی بحالی تھا۔ یہ سوسائٹی پکڑی گئی اور اس کے ممبران کو ملک سے فرار ہونا پڑا۔ عبد الحمید کی حکومت کے خلاف اس تنظیم سے تعلق رکھنے والوں مختلف دھڑوں نے ملکر 1894 میں تنظیم بنائی جو "اتحاد اور ترقی کی کمیٹی" تھی۔ سی یو پی کہلانے والی یہ تنظیم "نوجوان ترک" سے مشہور ہوئی۔ اس میں ہر طرح کے مذہبی اور نسلی پس منظر کے لوگ شامل تھے۔ سلطان عبد الحمید بڑی حد تک سی یو پی کی کاروائیاں روکنے میں کامیاب رہے۔ 1902 میں نوجوان ترکوں کی پیرس میں کانفرنس سلطان کے اختیارات کے خلاف اٹھنے والی پہلی منظم سیاسی تحریک تھی۔

سوال	تحریر میں دو نام درج ہیں, عبدالحمید اور عبدالمجید.. یہ دو سلطانوں کا ذکر ہے یا ایک کا؟
جواب	یہ پوسٹ عبدالحمید پر ہے۔ان کے والد کا نام عبدالمجید تھا۔(1857 میں ہندوستان کے مسلمانوں کو خط لکھنے والے عبدالمجید تھے)۔ایک جگہ پر عبدالحمید نام غلط لکھ دیا تھا، اس کو ٹھیک کر دیا ہے۔نشاندہی کا شکریہ
سوال	.مغربی مورخین نے عبدالحمید کو ظالم اور خبطی کہا, آپکی تحریر پڑھ کر مجھے کہیں سے بھی عبدالحمید ظالم نہیں لگا۔ مسلم اتحاداور اسلامی تشخص کی بات کرنے والا سلطان خبطی تو نہیں معقول حکمران ضرور محسوس ہوا
جواب	عبدالحمید کو سرخ سلطان ان کے خون بہانے کی وجہ سے کہا گیا ہے۔البانیہ یا کردستان میں حمیدی فورس کے استبداد کی اپنی کہانیاں ہیں لیکن جہاں پر یہ سب سے زیادہ بدنام ہوئے، وہ آرمینیا میں ہونے والے قتلِ عام تھے جس میں لاکھوں افراد کو قتل کیا گیا۔اس کے علاوہ ارضِ روم

	اور دیار باکر کے قتلِ عام بھی اسی دور میں ہوئے۔ عثمانی اپنی رواداری کی وجہ سے شہرت رکھتے رہے تھے۔صدیوں سے الگ لوگ ہم آہنگی سے رہتے رہے تھے لیکن عبدالحمید کے دور میں یہ تبدیل ہو گیا تھا۔حمیدی قتلِ عام کے بارے میں https://en.wikipedia.org/wiki/Hamidian_massacres
سوال	سر محمد بن قاسم کے بارے جو آجکل کنفیوژن پیدا ہو گیا ہے مہربانی فرما کے محمد بن قاسم کے بارے میں مستند معلومات فراہم کیجیے شکریہ
جواب	کیسی کنفیوژن؟ عرب افواج نے محمد بن قاسم کی قیادت میں موجودہ سندھ کو فتح کیا۔مکران اور لسبیلہ سے ہوتے ہوئے پھر دیبل پر قبضہ کیا اور روہڑی میں راجہ داہر کو شکست دی۔ محمد بن قاسم کا فتح کردہ علاقہ اس نقشے میں
سوال	سر آجکل پروپیگنڈا ہے کہ محمد بن قاسم سندھ میں سادات کو قتل کرنے آیا تھا جبکہ راجہ داہر نیک اَدمی تھا اس نے سادات کو پناہ دی تھی
جواب	نیک و بد کے فیصلے ہمارے (یا کم از کم میرے) کرنے کے بالکل نہیں۔ محمد بن قاسم کے سندھ حملے کی ایک وجہ نہیں، کئی ہیں۔جہاں تک پناہ کا تعلق ہے تو ہاں، یہ بھی ایک پہلو ہے۔ مکران کے اُموی گورنر سعید کلبی تھے۔علافی قبیلے کے سربراہ صفی حمامی تھے۔یہ عرب قبیلہ تھا۔کلبی نے انہیں اتحاد کی دعوت دی لیکن ان میں ان بن ہوئی۔سعید کلبی نے حمامی کا سر قلم کیا اور حجاج بن یوسف کو ارسال کر دیا۔انتقاماً، علافیوں نے گھات لگا کر سعید کلبی کو مار دیا اور ان کی فوج کو شکست دے کر مکران پر قبضہ کر لیا۔(علافی کون تھے اور مکران میں کیا کر رہے تھے؟ یہ تاریخ میں نہیں ملتا۔)حجاج نے علافیوں سے انتقام لینے کا حکم دیا۔جو جہاں ملے، اسے مار دیا جائے۔عربوں سے خوفزدہ ہو کر یہ سندھ چلے گئے جہاں راجہ داہر نے پناہ دی۔نیا مکرانی گورنر 704 میں آیا۔اس سے سات سال بعد جب محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا تو داہر کی فوج کے ساتھ علافیوں کی مختصر فوج بھی شامل تھی۔
سوال	یعنی کچھ چیزیں واضح نہیں ہیں
جواب	کئی چیزیں واضح ہیں، تمام نہیں۔مثال کے طور پر، ہمیں یہ تو علم ہے کہ راجہ داہر کی فوج میں راجہ کے ساتھ مل کر لڑنے والوں میں عرب شامل تھے۔یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کون تھے۔یہ بھی معلوم ہے کہ کیوں ایسا کر رہے تھے۔لیکن ان کی مکران سے پہلے کی تاریخ کا علم نہیں۔ یعنی کہ کیا وہ امویوں کے ساتھ آئے تھے یا الگ؟ تاجر تھے یا فوجی؟ اسی طرح دیگر وجوہات کا بھی معلوم ہے۔مثلاً جاٹ قزاق عرب و ہند تجارت کے لئے دردِ سر تھے۔خلیفہ کا سری لنکا کے راجہ کے لئے بھجوائے گئے تحائف دیبل کے قریب لوٹ لئے گئے تھے۔یا پھر امویوں کے لئے سندھ کا علاقہ پرکشش تھا۔اس پر محمد بن قاسم سے پہلے بھی کئی بار حملہ کیا گیا تھا۔۔۔

سوال	عورت والی بات جھوٹی ہے؟؟؟ کہتے ہیں ایک عورت داہر کی قید میں تھی، اس نے محمد بن قاسم کو آواز دی تھی
جواب	کونسی خاتون راجہ داہر کے پاس تھیں؟ راجہ داہر کے پاس کیسے پہنچی تھی؟ وہ محمد بن قاسم کو کیسے جانتی تھیں؟ ان کی آواز کیسے محمد بن قاسم تک پہنچی تھی؟
سوال	ہم نے تو بہت رٹے مار کر یاد کیا مطالعہ پاکستان اور آپ جب بتاتے ہیں کہ سب گول مال ہے تو
جواب	قاضی اسماعیل (جنہیں محمد بن قاسم نے قاضی مقرر کیا) نے آٹھویں صدی کے سندھ کی تاریخ لکھی ہے۔اگرچہ اس کو لکھنے کا طرز افسانوی ہے لیکن اس میں خواتین والے ایک واقعے کا ذکر کیا ہے۔ایک بحری جہاز قزاقوں نے لوٹا جس میں کچھ خواتین قزاقوں کے ہاتھ آئیں۔(محمد بن قاسم کو پکارنا بعد میں کسی کی اختراع ہے)۔عرب خواتین تجارت کے لئے سفر نہیں کرتی تھیں تو پھر یہ کونسی خواتین تھیں؟ صومالیہ اور زنجبار سے مشرق کی طرف غلاموں (مرد و خواتین) کی تجارت کا ایک راستہ تھا۔ کیا محمد بن قاسم کو ان کی بازیابی کے لئے بھیجا گیا؟ غالباً نہیں۔
سوال	سر بڑا مشہور واقعہ ہے کہ بحری قزاقوں نے ایک جہاز کو لوٹ لیا۔اور خواتین کو قیدی بنا لیا۔قیدیوں میں موجود ایک خاتون نے کسی طریقے سے حجاج بن یوسف سے مدد کی اپیل کی۔حجاج بن یوسف نے پھر اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو لشکر کے ساتھ بھیجا
جواب	اس کہانی میں تو بہت سے جھول ہیں۔ایک تو یہ کہ محمد بن قاسم کی جنگ تو قزاقوں کے ساتھ ہوئی ہی نہیں تھی۔دوسرا یہ کہ خاتون نے پیغام کس طریقے سے پہنچایا؟ یعنی ممکنات کیا تھے؟ تیسرا یہ کہ خاتون کو چھڑوانے کے لئے تو اتنا بڑا علاقہ جو ملتان تک پھیلا ہوا تھا، فتح نہیں کیا گیا۔اور بالفرض اگر ان تمام جھولوں کو نظرانداز کر دیا جائے تو بھی تاریخ کو اس سے اتفاق نہیں ہے۔
سوال	سر. بھارتی فلموں میں ماں یا ہیروئین کی آواز دوسرے شہر میں ہیرو تک پہنچ سکتی ہے تو کچھ بھی ہوسکتا
جواب	لگتی ہیں۔اصل والی تاریخ کچھ زیادہ پیچیدہ ہے تاریخ کی کچھ کہانیاں بھی اسی طرح کی فلموں سے
سوال	حجاج بن یوسف نے جو ظلم مکہ میں کیے ان کو بھول کر۔ایک عورت کہ پکار پر اپنی افواج بھیج دیں۔؟؟۔شاوشے۔۔۔
جواب	**یہ جواب ایم طاہر کا ہے** پہلی بات کہ سندھ میں کشش تھی زیادہ درست معلوم ہوتی ہے اور اسکے لیے کسی قصے کہانی کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں پڑتی وہاراامباکر ایم طاہر بالکل درست۔یہ سادہ وضاحت ہے جو برِصغیر پر قبضے کے محرک کو واضح کر دیتی ہے۔
سوال	muhmad bin qasim se pehly koi masalman sindh k kisi ilaqy ka governor k se ho sakta ? (saed kalbi)
جواب	سعید کلبی سندھ کے نہیں، مکران کے گورنر تھے۔مکران پر قبضہ پہلے کیا جا چکا تھا۔
سوال	ye kis ki sarbarahi me hua tha ? or kab ? kya zahri waja thi
جواب	مکران حضرت عمر کے دور میں فتح ہوا تھا۔حکم ابن عمر کی قیادت میں فوج بھیجی گئی تھی جس نے مکران کو فتح کیا تھا۔دریائے سندھ تک کا علاقہ بغیر کسی مزاحمت کی حاصل کر لیا گیا تھا۔دریائے سندھ پر رائے بادشاہت سے جنگ ہوئی تھی۔اس وقت اس سے آگے پیشقدمی نہیں کی گئی تھی۔
سوال	سر آپ ترکی کا مستقبل کیسا دیکھتے ہیں 2023 کی جو کہانی آجکل چل رہی ہے یہ ہو گا وہ ہو گا
جواب	ترکی کے پاس ترقی کرنے کا بہت پوٹینشل موجود ہے۔کیا یہ کر سکے گا؟ اس کا انحصار اس پر ہے کہ فیصلے کیسے لئے جاتے ہیں۔2023 بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ 2022 یا 2024
سوال	آرمینیا اور آشوریا کی نسل کشی میں عبد الحمید کا ہاتھ تھا یا نوجوان ترکوں کا؟
جواب	سی یو پی کی حکومت تو اس سے کئی برس بعد آئی تھی۔اس وقت میں سلطان عبدالحمید ہی بااختیار حکمران تھے۔

7-جب سورج ڈھلا۔ سلطنتِ عثمانیہ

بیسویں صدی کا ابتدائی دور وہ وقت تھا جب دنیا سے بادشاہتوں کا سورج غروب ہو رہا تھا۔1905 میں روسی انقلاب نے زار نکولس دوئم کو ہلا دیا تھا۔یہ انقلاب دھیرے دھیرے تبدیلی کے حق والے لبرلز کے لئے بھی دھچکا تھا۔ایران میں قاجار حکمرانوں کو 1905 اور 1906 کے تہران انقلاب کے بعد پہلا تحریری آئین اور منتخب اسمبلی دینا پڑی تھی۔

انہی برسوں میں عثمانی حکومت سے غیر مطمئن لوگوں کی بغاوت عثمانی سلطنت کے دل اناطولیہ میں پھوٹ پڑی۔یمن میں ایک غیر مقبول جنگ لڑنے کے لئے کی جانے والی جبری بھرتیاں اس کی وجہ رہی۔یمن جنگ عثمانی خزانے پر بھی بوجھ تھی۔اس جنگ کو سپورٹ کرنے کے لئے بڑھنے والے ٹیکس بھی غیر مقبولیت کا باعث تھے۔1905 سے 1907 تک یہ شورش جاری رہی۔اس سے اپوزیشن گروپ کو سلطنت میں پہلی بار قدم جمانے کا موقع مل گیا۔

اپوزیشن گروپ کی طرف سے 23 جولائی 1908 کو الٹی میٹم دیا گیا کہ آئین بحال کیا جائے ورنہ استنبول پر چڑھائی کر دی جائے گی۔ سلطان عبدالحمید نے وزیرِ اعظم اور فوج کے سربراہ کو برطرف کر دیا اور ایک فرمان کے تحت 24 جولائی کو آئین بحال کر کے انتخابات کا اعلان کر دیا۔سلطنت کے طول و عرض میں یہ خبر جوش و خروش کے مناظر کا باعث بنی۔اور یوں ترکی کا دوسرا آئینی دور شروع ہوا۔

اکتوبر 1908 کو عثمانی سلطنت کو مزید علاقے کا نقصان اٹھانا پڑا۔بلغاریہ کے عثمانی علاقے نے اعلانِ آزادی کر دیا۔آسٹریا ہنگری سلطنت نے بوسنیا ہرزیگووینا کو ضم کر لیا اور کریٹ نے گریس کے ساتھ اپنے الحاق کا اعلان کر دیا۔

دسمبر 1908 میں انتخابات ہوئے۔اپوزیشن کی سی یو پی نے زیادہ نشستیں حاصل کیں اور حکومت بنائی۔مسائل ویسے ہی رہے (وہ بس ایسے ہی تو کبھی بھی حل نہیں ہوا کرتے)۔پارلیمنٹ میں لبرل اپوزیشن نے سی یو پی حکومت پر نااہلی اور عوام کو نظرانداز کرنے کا الزام لگایا۔جبکہ دوسری طرف قدامت پرست مسلم یونین کا اخبار مسلمانوں کو سی یو پی حکومت کے خلاف اکساتا رہا۔حکومت بننے کے تین ماہ بعد فوج میں بغاوت پھوٹ پڑی۔31 مارچ 1909 کو فرسٹ آرمی اور تھرڈ آرمی کے جوان ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔ بغاوت کرنے والے فوجی جوانوں کا مطالبہ اسلامی نظام کی واپسی تھا۔13 اپریل کو یہ معاملہ طے ہو گیا۔حکومت مستعفی ہو گئی۔باغیوں کو معافی دے دی گئی۔سلطان نے شریعت کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔سلطان عبدالحمید کو واپس تمام اختیارات مل گئے۔

اقتدار کی اس جنگ میں اگلا موڑ چند روز بعد ہی آ گیا۔27 اپریل کو فوجی سنگینیں لئے شاہی محل میں داخل ہو چکے تھے۔عارف حکمت پاشا، اسد پاشا اور کراسو آفندی نے اعلان کیا کہ سلطان کو عوام نے برطرف کر دیا ہے۔آئین میں سلطان کی برطرفی کا طریقہ نہیں

تھا۔اس برطرفی کو قانونی جواز دینے کے لئے شیخ الاسلام سے مدد لی گئی۔ جنہوں نے فتویٰ دیا کہ سلطان اپنے عہدے کے اہل نہیں رہے۔ اگلا سلطان عبدالحمید کے بھائی رشید کو بنا دیا گیا۔

نئے سلطان نے اپنے اختیارات میں کمی کا وعدہ کیا۔پارلیمنٹ کی بحالی ہوئی لیکن بحالی سے پہلے ہی اس کو دھچکا لگا۔ آرمی کے سربراہ محمود شوکت پاشا نے مارشل لاء لگا دیا۔

اگلے سال طاقت کی رسہ کشی کے تھے۔ آرمی چیف محمود شوکت پاشا کا کہنا تھا کہ ان سیاسی تبدیلیوں سے آرمی کو الگ رکھا جائے اور آرمی آئین کے یا سول حکومت کے زیرِ نگیں نہیں آئے گی۔ محمود شوکت پاشا کو وزیرِ دفاع بنا دیا گیا۔جب 1910 کا بجٹ بنانے کا وقت آیا تو مالیاتی مصائب کا سامنا تھا۔ محمود پاشا نے عسکری بجٹ پر کسی بھی قسم کی کٹوتی کو ماننے سے انکار کر دیا۔جب زور دیا گیا کہ آرمی کے سینیئر عہدیداران پر سرکاری عہدوں کی وجہ سے دولتمند ہونے کے الزامات ہیں۔کم از کم فوج اپنے اخراجات کی پڑتال تو کروائے۔ محمود پاشا نے اس تجویز کو بھی بلاک کر دیا۔

سی یو پی نہ ہی فوج کو اور نہ ہی سیاست کو کنٹرول کر پا رہی تھی۔ ان پر عوامی مسائل پر توجہ نہ دینے، لبرل اور قدامت پرست حکومت مخالف صحافیوں کو قتل کروانے، آہنی ہاتھوں سے لوگوں کو نمٹنے کے الزامات تھے۔جولائی 1912 میں سلطان نے فوج کے مشورے پر اسمبلی پھر تحلیل کر دی اور نئے انتخابات کا اعلان کر دیا۔اس سے پہلے ہی بلقان میں جنگ چھڑ گئی اور انتخابات اگلے ایک برس بعد منعقد ہوئے۔

اندرونی طور پر عثمانیوں کو البانیہ میں مسئلہ تھا جہاں کیپٹین احمد نیازی کی قیادت میں خودمختاری کی تحریک جاری تھی۔البانوی زبان کو لاطینی رسم الخط میں لکھنے سے روکے جانا ان کے لئے اہم مسئلہ تھا۔عرب صوبوں میں عرب شناخت پر فخر ابھر رہا تھا۔عثمانیوں کی مرکزیت کی پالیسی عربوں کو قابلِ قبول نہیں رہی تھی۔عربوں کے لئے فلاحین کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا جو تضحیک آمیز تھا۔

اٹلی ایک متحد ملک بن چکا تھا اور فرانس کے ساتھ اس کی لڑائی لیبیا میں چھلک آئی تھی۔1912 میں لیبیا عثمانیوں کے ہاتھ سے نکل کر اٹلی کے پاس چلا گیا۔یمن کی جنگ بمشکل سمٹی ہی تھی کہ بلقان کے تنازعے نے آن لیا۔پہلی بلقان جنگ اکتوبر 1912 میں چھڑ گئی۔ اس کے نتیجے میں ہونے والے امن معاہدے کی شرائط ذلت آمیز تھیں۔ان کو تسلیم کرنے کے غصے میں 23 جنوری 1913 کو فوجی دستوں کی قیادت میں انور پاشا نے کابینہ چیمبر میں آ کر جنگ کے وزیر کو قتل کر دیا اور وزیرِ اعظم سے جبری استعفیٰ لے لیا۔اس کے بعد سلطان کے پاس گئے اور آرمی کے سربراہ شوکت پاشا کو وزیرِاعظم بنوا دیا۔امن معاہدہ منسوخ کر دیا گیا۔جنگ دوبارہ شروع ہو گئی۔مارچ میں انہی شرائط پر معاہدہ کرنا پڑا اور ادرنہ کا علاقہ بلغاریہ کے حوالے کرنا پڑا۔

شوکت محمود پاشا کو جون میں قتل کر دیا گیا۔ان کو قتل کرنے والے بارہ لوگوں کو پھانسی دے دی گئی۔دوسری بلقان جنگ میں انور پاشا کی قیادت میں اردنہ کا شہر واپس لے لیا گیا اور یہ آج کے ترکی کی مغربی سرحد ہے۔ان جنگوں میں البانیہ، مقدونیہ اور تھریس کے علاقوں کا نقصان عثمانیوں کے لئے بڑا نقصان تھا۔یہ علاقے ان کے پاس چودھویں صدی سے تھے۔

عرب علیحدگی پسندوں کا مسئلہ سنگین ہو رہا تھا۔اس کے لئے استبول حکومت نے عرب مطالبات تسلیم کئے۔عربی کو عرب صوبوں میں سرکاری زبان کے طور پر استعمال کی اجازت مل گئی۔اس سے پہلے ملک کو یکجا کرنے کی ایک کوشش پوری سلطنت میں صرف ترکی زبان کا نفاذ تھا۔اس حکم کو واپس لے لیا گیا۔ایک اور تجویز یہ آئی کہ ملک کا دارالحکومت استبول سے عرب علاقوں کی طرف لے جایا جائے۔بغداد یا حلب میں منتقل کر دیا جائے۔لیکن اس پر عمل نہیں ہوا۔لیبیا کی اٹلی سے حفاظت نہ کر سکنے کی اہلیت نے عربوں کے ترکوں کی اہلیت پر سوال اٹھائے تھے۔

سلطان عبدالحمید کو اپنے آخری دن گزارنے کے لئے باسفورس کے محل لے جایا گیا۔یہ الگ تھلگ قیدِ تنہائی نہیں تھی۔اپنے محل سے وہ اپنے سامنے تیزی سے بدلتی دنیا کو دیکھ سکتے تھے۔ اور یہ دنیا بہت تیزی سے بدلنے والی تھی۔

ساتھ لگی تصویر میں حج کے سالانہ موقع پر ہونے والے تہوار کی۔تہوار کی یہ رسم 1870 سے شروع ہوئی اور 1919 تک جاری رہی۔حاجیوں کے پہلے قافلے کے ساتھ تحائف بھی ساتھ بھیجے جاتے تھے۔

8-جنگِ عظیم۔ سلطنتِ عثمانیہ

سرائیوو میں، ہیبسبرگ سلطنت کے ولی عہد کو 28 جون 1914 میں ایک سرب قوم پرست نے قتل کر دیا۔ آسٹریا نے 28 جولائی کو سربیا سے اعلانِ جنگ کر دیا۔ روس نے 31 جولائی کو فوج متحرک کرنے کا اعلان کر دیا۔ جرمنی نے یکم اگست کو روس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ 2 اگست کو جرمنی نے لگزمبرگ پر فوج کشی کر دی اور 3 اگست کو فرانس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ جرمنی کی افواج 4 اگست کو بلجیم میں داخل ہو گئیں اور اسی روز برطانیہ نے جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

عثمانی سلطنت نے سفارت کاری سے معاہدہ کیا کہ اگر روس آسٹریا اور سربیا کے جھگڑے میں پڑا اور جرمنی کو اپنے اتحادی کا ساتھ دینا پڑا تو عثمانی جرمنوں کو سپورٹ کریں گے اور عثمانیوں پر حملے کی صورت میں جرمنی دفاع میں مدد کرے گا۔ عثمانی اس جنگ میں غیر جانبدار رہیں گے لیکن کسی بھی جنگ کے لئے تیار رہیں گے۔

عثمانی سلطنت اب آئینی بادشاہت تھی جبکہ حکومتی امور کے حوالے سے عملی طور پر انور پاشا کی قیادت میں سی یو پی پارٹی کی سنگل پارٹی آمریت بن چکی تھی۔ انور پاشا برلن میں دو سال ملٹری اتاشی رہے تھے اور جرمنوں سے اچھے تعلقات رکھتے تھے۔ جرمن عثمانیوں کے ساتھ بڑی سرمایہ کاری کر رہے تھے۔ برلن بغداد ریلوے لائن تعمیر ہوئی تھی۔ انشورنس کمپنیوں، بینک، بندرگاہ، ریلوے میں ان کا حصہ تھا۔ عثمانی برطانیہ کی خلیج میں مداخلت سے خائف تھے۔ عثمانی بحریہ نے برطانیہ سے دو جنگی جہاز خریدے تھے جن کی قیمت ادا کی جا چکی تھی اور وہ تیار ہونے کے قریب تھے۔ چرچل نے اس آرڈر کو روک دیا۔ عثمانیوں نے یورپیوں سے کئے گئے تجارتی معاہدے یک طرفہ طور پر منسوخ کر دئے۔

عثمانیوں نے 29 اکتوبر کو روسی بندرگاہوں پر حملہ کیا اور کئی روسی جنگی جہاز غرق کر دئے۔ اس ایکشن نے عثمانیوں کی قسمت پر مہر لگا دی۔ روس نے 2 نومبر کو عثمانیوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ برطانیہ اور فرانس نے 5 نومبر کو۔ سلطان مہمت پنجم نے 11 نومبر 1914 کو اعلان کر دیا کہ وہ برطانیہ، فرانس اور روس سے حالتِ جنگ میں ہیں۔ اس سے دو روز بعد توپکاپی محل میں تقریب میں جہاد کا اعلان کیا گیا۔ اس تقریب میں پانچ مفتی تھے جنہوں نے اس فتوے سے اتفاق کیا۔ اعلانِ جہاد تمام امتِ مسلمہ کی طرف سے کیا گیا۔ خاص طور پر ان علاقوں میں جن پر برطانیہ، فرانس اور روس کی کالونیاں تھیں، وہاں مسلمانوں کو کہا گیا کہ وہ کافر حکمرانوں کے خلاف جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ عربوں میں اس فتوے کے حق میں کچھ حمایت رہی لیکن اہم افراد کی طرف سے سپورٹ نہیں ملی۔ ان میں سے ایک شریفِ مکہ تھے جن کا کہنا تھا کہ اگر برطانوی حکومت کے خلاف بغاوت کی گئی تو اس کا نتیجہ حجاز پر بمباری کی صورت میں نکل سکتا ہے کیونکہ مصر اور بحیرہ عرب برطانوی کنٹرول میں ہے۔ باقی اسلامی دنیا سے بھی جواب سرد مہری کا رہا۔ مصر اور

ہندوستان میں برطانوی حکومت نے مقامی علماء سے فتوے حاصل کر لئے کہ برٹش حکومت کا حکم ماننا ضروری ہے۔ نہ صرف یہ کہ جہاد کی اپیل ان سنی کر دی گئی بلکہ برٹش سرکار کو فوجی بھرتی میں بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔ بغداد، شام اور فلسطین پر قبضہ کرنے والی فوج میں دو تہائی فوجی ہندستان سے تعلق رکھتے تھے۔

استنبول سے جنگ کے میدانوں کے بیچ میں بڑا فاصلہ تھا۔ مواصلات میں پچھلے پچاس برس میں بہتری آئی تھی لیکن سڑک اور ریل کا نیٹ ورک جنگی ضروریات کے لئے ناکافی تھا۔ استنبول سے شام تک فوج کو پہنچتے ایک ماہ لگتا تھا۔ میسوپوٹیمیا (عراق) پہنچتے ہوئے دو ماہ۔ ریلوے بن رہی تھی لیکن سسٹم میں گیپ تھے۔ دستے اور رسد کشتی، ٹرک اور اونٹوں پر ملکر پہنچتی تھی۔ روس کی سرحد تک پہنچنا بھی ویسا ہی مشکل تھا۔ انقرہ سے صرف ساٹھ کلومیٹر آگے تک ٹرین جاتی تھی۔ اس مقام سے آگے ارضِ روم تک 35 دن کا مارچ تھا۔ سڑکوں کی حالت خراب تھی۔ سمندروں پر بحیرہ روم میں برطانوی بحریہ کی بالادستی تھی اور بحیرہ اسود میں روس کی۔ عثمانی سلطنت بڑی تعداد میں لڑنے والے سپاہی تو اکٹھے کر سکتی تھی لیکن جنگ کرنے کی اہلیت کا فقدان تھا۔

ایک زرعی ریاست نے صنعتی دور کی جنگ میں چھلانگ لگا دی تھی۔

سوال	سر جی تاریخ سلطنت عثمانیہ پر ایک بہترین کتاب تجویز کیجئے تا کہ میں اسکا مطالعہ کر سکوں
جواب	یہ دو اچھی کتابیں ہیں۔ایمیزون سے کتابیں منگوائی تو جا سکتی ہیں لیکن شپنگ کے چارجز زیادہ ہوں گے https://www.amazon.com/Lords-Horizons-History-Ottoman-Empire/dp/0312420668 https://www.amazon.com/Osmans-Dream-History-Ottoman-Empire/dp/0465023975 پاکستان میں کئی اچھی کتابوں کی دکانیں بھی ہیں اور آن لائن بک سٹور بھی۔مثلاً، سرچ کرنے پر نظر آیا ہے کہ اوپر دی گئی کتاب یہاں سے منگوائی جا سکتی ہے۔ https://www.daraz.pk/products/osmans-dream-the-story-of-the-ottoman-empire-i4006165.html
سوال	.سر آپ سلطنت عثمانیہ کے زوال کے بارے میں لکھے رہے ہیں عروج کے بارے میں آپ نے لکھا ہی نہیں ہے. آپ نے مسلمانوں کی قربانیوں کو نظرانداز کر رہے ہیں
جواب	قربانیاں؟؟ کونسی قربانیاں؟ اس تصویر میں دکھائے گئے ترک فوجی سلطان کے فرمان پر اپنی جان قربان کرنے ہی تو جا رہے ہیں۔
سوال	پہلی عالمی جنگ کے وقت چرچل وزیرِاعظم تھا برطانیہ کا؟
جواب	پہلی جنگِ عظیم کے وقت چرچل برطانوی نیوی کے فرسٹ لارڈ تھے۔انہوں نے عثمانی بحری جہازوں کی ڈیلیوری رکوا دی تھی کہ یہ جہاز ان کے خلاف استعمال نہ ہوں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ درہ دانیال کے بحری حملے اور گالیپولی کی ملٹری لینڈنگ کی سربراہی چرچل نے کی۔یہ دونوں وہ جگہیں تھیں جہاں عثمانیوں نے برطانوی فوج کو شکستِ فاش دی۔جس کی وجہ سے چرچل کی تنزلی کر دی گئی تھی۔
سوال	سر دونوں پہلو بیان کریں باری باری عروج و زوال
جواب	اس سیریز کا سٹرکچر عروج اور زوال کے حوالے سے نہیں، اس سلطنت کے دور کے اہم واقعات سے کیا گیا ہے۔آغاز، چار اہم سلاطین (بایزید یلدرم، سلیم اول، سلیمان اور عبدالحمید دوئم)، تنظیمات، جنگِ عظیم، خاتمہ اور ترکی کی پیدائش اور آخر میں ہندستان سے تعلق۔
سوال	سر یہ نام کے ساتھ اول یا دوم کیوں لکھا جاتا ہے۔جیسے سلیمان اول
جواب	ایک ہی نام کے دو بادشاہ گزریں تو پہلے کو اول کہیں گے اور دوسرے کو دوئم۔ٹیپو سلطان نے جس عثمانی سلطان سے مدد طلب کی تھی، ان کا نام عبدالحمید تھا۔جب اسی نام سے دوسرے سلطان بنے تو ہم انہیں عبدالحمید دوئم کہتے ہیں۔

9-شکست۔ سلطنتِ عثمانیہ

عثمانیوں کے لئے جنگِ عظیم اول کے چار محاذ تھے جو آپس میں خاصے فاصلے پر تھے۔ڈرڈینلینس (درہ دانیال) جو شمال مغربی ترکی میں ہے۔مشرقی اناطولیہ اور قفقاز، عراق اور شام و فلسطین۔جنگ اچھی نہیں رہی۔برطانوی افواج نے بصرہ نومبر 1914 میں حاصل کر لیا اور عراق کے شمال تک جا پہنچے۔کمال پاشا کی فوج کا سوئز نہر کو حاصل کرنے کے لئے کیا جانے والا حملہ کامیاب نہ رہا۔روسی افواج کے خلاف بھاری جانی نقصان اٹھانا پڑا جس میں سے کچھ جنگ کی وجہ سے تھا اور دسیوں ہزار 1916 کی سردی سے۔برطانیہ کے خلاف 1917 کی بہار میں فلسطین پر حملہ پسپا کر دیا گیا لیکن دسمبر میں یروشلم برطانوی آرمی کے پاس تھا۔الکوت میں فتح ہوئی لیکن اس سے چھ ماہ بعد بغداد چھن چکا تھا۔عثمانی فوج کو واحد بڑی کامیابی ڈرڈینیلیس کے

کامیاب دفاع میں ہوئی جب چرچل کی قیادت میں حملہ کرنے والی افواج کو شکست دی گئی اور نہ صرف آبنائے میں بلکہ گالیپولی میں ملٹری لینڈنگ کو ناکام بنایا گیا۔ لیکن یہاں پر ہونے والا جانی نقصان بہت زیادہ تھا۔

چار سال میں اس جنگ میں سوا تین لاکھ فوجی میدان جنگ میں ہلاک جبکہ چار سے سات لاکھ کے درمیان زخمی ہوئے۔ چار لاکھ فوجی بیماری کے ہاتھوں جان گنوا بیٹھے۔ 1916 میں کل فوج کی تعداد آٹھ لاکھ تھی جبکہ جنگ بندی تک سوا لاکھ رہ چکی تھیں۔ دسیوں ہزار بھگوڑے ہو چکے تھے۔ فوجی بھرتیوں کا مطلب یہ نکلا کہ زمینوں پر کام کرنے والوں کی کمی تھی۔ اس نے غذائی قلت پیدا کر دی۔

اس جنگ نے عرب اور ترکوں کے تعلقات کشیدہ کرنے میں بڑا کردار ادا کیا۔ کمال پاشا نے کئی عرب راہنماؤں پر شک ظاہر کیا کہ یہ برطانیہ کے جاسوس ہیں اور ان کو سزائے موت دی گئی۔ کئی اہم خاندانوں کو حکومت کا وفادار نہ ہونے کے الزام میں جلاوطن کیا گیا۔ شام میں پڑنے والے قحط نے صورتحال مزید خراب کی۔ اور کمال پاشا کی ان مشکل اقتصادی حالات میں بھی یادگاریں تعمیر کروانے کی پالیسی نامقبول رہی۔ بلقان ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ٹیکسوں کا بوجھ عربوں پر تھا۔ جون 1916 میں حجاز میں عرب بغاوت شروع ہو گئی۔ یہ مکہ کے شریف حسین کی اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش تھی۔ شریف حسین کی جگہ حیدر آئے اور انہوں نے خود عرب میں بادشاہت قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔ برطانیہ نے آزادی تسلیم کر لی۔ عثمانی اس کے خلاف کچھ نہ کر سکے۔ برطانوی مورخین نے اس میں ٹی لارنس کے کردار کا رومانس تخلیق کیا ہے جن کے کردار کو بڑھا چڑھا کر بتایا جاتا رہا ہے۔ لارنس آف عریبیہ کی افسانوی کہانیوں سے زیادہ عرب اور ترک کشیدگی کی اپنی ایک تاریخ تھی۔

سلطنت کے حصے بخرے کس طریقے سے کئے جائیں گے؟ اس پر اتحادی افواج میں بات چیت ہوتی رہی۔ قسطنطنیہ معاہدے میں 1916 میں طے کیا جا چکا تھا کہ استنبول اور سٹریٹس کا علاقہ روس کے پاس آئے گا۔ جنوب مغربی اناطولیہ اٹلی کے پاس۔ فرانس اور برطانیہ نے شام کو اپنے پاس رکھنے کے اپنے حق کا دعوٰی کیا تھا۔ عرب صوبوں کے بارے میں کئی تجاویز زیرِ غور رہیں۔ ایک تجویز یہ تھی کہ شریفِ مکہ کو خلافت اور آزاد عرب ریاست دے دی جائے۔

لیکن حالات 1917 تک بدل چکے تھے۔ عثمانی فوج کو لپیٹ ہو رہی تھی۔ روس میں سرخ انقلاب کی آمد تھی۔ بالشویک انقلاب نے روس کا نقشہ بدل دیا۔ انیسویں صدی کے آخر میں پانچ "گریٹ پاورز" فرانس، برطانیہ، روس، آسٹریا اور پرشیا (جرمنی) تھے۔ بیسویں صدی میں ابھرنے والی نئی عالمی طاقت امریکہ تھی۔ اسی سال یہ طاقت بھی درمیان میں کود پڑی۔ اس کے صدر ولسن کالونیل ازم کے خلاف تھے۔ ولسنین ازم کی عالمی امن کی اپنی چودہ نکاتی پالیسی تھی جس نے حقِ خودارادیت جیسا نیا اور عجیب لفظ عالمی سیاست کی لغت میں داخل کر دیا تھا۔

ستمبر 1918 جنگ کے لئے اہم موڑ ثابت ہوا۔ یہ عثمانیوں کے اتحادی بلغاریہ کا گر جانا تھا۔ اتحادی افواج کے لئے اب استنبول کا راستہ صاف تھا۔ 2 نومبر کو سی یو پی کے عثمانی لیڈر انور پاشا، کمال پاشا اور طلعت پاشا ملک چھوڑ کر فرار ہو چکے تھے۔ 13 نومبر 1918 کو اتحادی افواج نے استنبول پر قبضہ کر لیا۔ پہلے برطانوی پہنچے، پھر فرنچ اور اطالوی۔ 1453 میں سلطان مہمت دوئم کے اس شہر پر قبضے کے بعد یہ شہر اب عثمانیوں کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

سلطان مہمت پنجم کی وفات 5 جولائی 1918 کو ہوئی۔ ان کے بعد ان کے بھائی مہمت ششم اگلے سلطان بنے۔ جنوری 1919 میں انہوں نے عثمانیوں کی طرف سے کئے گئے جنگی جرائم میں ملوث افراد کے لئے جنگی ٹریبونل بنایا۔ اپنی نوعیت کے اس پہلے ٹرائل میں سی یو پی کے 120 وزراء اور عہدیداران کو کٹہرے میں لایا گیا۔ سات لیڈروں کو غیر حاضری میں سزائے موت سنائی گئی۔ 67 کو جلاوطن کر کے مالٹا بھیج دیا گیا۔ اسی طرز کے دوسرے ٹرائل صوبوں میں شروع ہو گئے۔

گریس کی افواج 15 مئی 1919 کو ازمیر میں داخل ہو گئیں۔ گریس نے استنبول ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ بھی کر دیا۔ استنبول اتحادی افواج کے قبضے میں تھا۔ گریس کی افواج ازمیر سے آگے بڑھنے لگی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اس سب زمین پر ان کا حق ہے۔ درپردہ انہیں برٹش کی حمایت حاصل تھی۔ مقامی آبادی مزاحمت کر رہی تھی۔ 16 مئی کو عثمانی فوجی مصطفیٰ کمال استنبول سے ایک سٹیمر میں نکلے اور تین روز بعد سیمسون پہنچ گئے۔ انہوں مقامی آبادی کو غیر مسلح کروانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ان کا ارادہ ایسا کرنے کا نہیں تھا۔ برطانویوں نے بھانپ لیا کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ عثمانیوں کو مصطفیٰ کمال کو واپس بلانے کے لئے کہا گیا۔ حکومت کی طرف سے واپس آنے کے احکامات جاری ہو گئے۔ مصطفیٰ کمال نے حکم عدولی کی۔ ساتھیوں کو ملا کر جنگِ آزادی شروع کر دی۔ ٹیلی گراف کے ذریعے عثمانی فوج کے افسران کو اس تحریک کا پیغام پہنچانے لگے۔ اناطولیہ میں یورپی قبضہ آوروں کے خلاف تحریکِ آزادی شروع ہو گئی۔ مقامی آبادی ان کا ساتھ دینے لگی۔

نئے انتخابات ہوئے۔ جنوری 1920 میں نئی پارلیمنٹ بنی۔ دسمبر 1919 کو مصطفیٰ کمال نے تقریر میں کہا کہ عرب آبادی کو اپنا مستقبل خود دیکھنا ہو گا اور وہ ترکوں کے ساتھ نہیں۔ ترک اور کرد اکٹھے ہیں۔ نیشنلزم کا مطلب یہ ہے کہ ترک اور کرد عثمانی سلطنت کے وارث ہیں۔ قومی معاہدے کے تحت عثمانی ریاست کا نام "ترکی" رکھ دیا گیا۔

برطانوی ان قوم پرستوں کے شدید مخالف تھے۔ اہم راہنما گرفتار کر کے جلاوطن کر دئے گئے۔ پارلیمنٹ نے احتجاجاً خود کو تحلیل کر لیا۔ ممبران استنبول چھوڑ کر انقرہ چلے گئے۔ 23 اپریل کو انقرہ میں 84 ممبران ملے اور مصطفیٰ کمال کو سربراہ چن لیا۔ اس سے بارہ روز پہلے شیخ الاسلام نے قوم پرستوں کو مرتد اور واجب القتل قرار دیا تھا۔ یکم مئی کو مصطفےٰ کمال اور ساتھیوں کو غیر حاضری میں سزائے موت سنادی گئی۔

دوسری طرف گریس کی افواج بڑھ رہی تھیں۔ 1920 کے موسمِ گرما تک اردنہ اور بورصہ گریک افواج کے پاس جا چکے تھے۔ 2 جولائی کو مصطفیٰ کمال نے اعلانِ جہاد کر دیا۔ "غاصب قوتوں کے خلاف مزاحمت اسلامی فریضہ ہے۔ یہ مقدس جہاد ہے"۔ یہ اعلامیہ مصطفیٰ کمال نے جاری کیا۔ جبکہ دوسری طرف استنبول میں اتحادی، سلطان اور حکومت قوم پرستوں کے خلاف فتوے دے چکی تھی۔

عثمانی سلطنت کے اپنی تاریخ میں تین بڑے حریف رہے تھے جن کے ساتھ اس کی جھڑپیں مسلسل رہتی تھیں۔ مشرق میں صفوی سلطنت، شمال میں روس کے زار اور مغرب میں ہیبسبرگ۔ عثمانی ان تینوں سلطنتوں کے بعد ختم ہوئے۔ صفویوں کا انہدام افغانیوں کے ہاتھوں 1736 میں ہوا۔ جس کے بعد اس طرف سے جھڑپوں کا خاتمہ ہو گیا۔ جب کمیونسٹ انقلابیوں نے زارِ روس نکولس دوئم اور ان کے خاندان کو مار کر یہ سلطنت ختم کی، عثمانی سلطنت ابھی باقی تھی۔

ہیبسبرگ اور عثمانی آپس میں مسلسل نبرد آزما رہے تھے۔ جنگیں برسوں تک چلا کرتی تھیں۔ لیکن عثمانیوں کی آخری جنگ میں یہ دونوں اتحادی تھے۔ پہلی جنگِ عظیم تھی جس میں عثمانی، ہیبسبرگ اور جرمن اتحاد بنا تھا۔ آسٹرو ہنگری ایمپائیر کی قیادت ہیبسبرگ کے پاس تھی۔ یہ خاندان جنگ کے خاتمے سے پہلے ختم ہو گیا۔

عثمانی حکومت نے 10 اگست کو سیورس میں امن معاہدہ کر لیا۔ تھریس کا علاقہ گریس کو دے دیا گیا۔ ازمیر پر اگلے پانچ سال تک گریس کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا جس کے بعد مقامی آبادی نے طے کرنا تھا کہ یہ کس کے ساتھ رہنا چاہیں گے۔ کردوں کا مستقبل لیگ آف نیشنز پر چھوڑ دیا گیا۔ بالشویک روس کو مشرق میں وان اور بتلیس کے صوبے چاہیے تھے جن کو آرمینیا صوبے کا حصہ بنانا چاہتا تھا۔ کونسا علاقہ روس میں جائے گا اور کونسا ترکی میں؟ یہ کام امریکہ کے سپرد ہوا۔ سیورس معاہدے کی توثیق پارلیمنٹ نے کرنا تھی۔ پارلیمنٹ موجود نہیں تھی۔ اس معاہدے کی توثیق کے لئے اور امن قائم کرنے کے لئے قوم پرستوں کی حمایت درکار تھی۔ اور اگر امن نہ ہوتا تو گریس کی افواج ایک کے بعد اگلا علاقہ فتح کر رہی تھیں۔ استنبول زیادہ دور نہیں تھا۔ اب سوال عثمانی سلطان کا نہیں، ترک مستقبل کا تھا۔

ساتھ لگی تصویر میں عثمانی اتحادی جرمنی کے بادشاہ قیصر ولہلم کی 1917 میں ہے جب یہ درہ دانیال کے محاذ اور استنبول کا دورہ کر رہے ہیں۔ یہ تصویر باسفورس میں کھینچی گئی۔ قیصر سب سے بائیں طرف والی قطار میں درمیان میں ہیں۔

سوال	محترم۔یہ جو افغان وار کے بعد مسلم ریاستیں آذاد ہوئیں اور جو ابھی بھی داغستان قفقاز چیچنیا وغیرہ روسی قبضے میں ہیں یہ کب روس کے قبضے میں گئیں اور سنکیانگ پر چین نے کب قبضہ کیا ؟
جواب	ہر جگہ کی اپنی تاریخ ہے۔داغستان صفویوں اور روسیوں کے درمیان ہاتھ بدلتا رہا تھا۔نادر شاہ نے اس کو روسیوں سے حاصل کیا تھا جبکہ روسیوں نے ایران سے 1796 میں اسے آخری بار حاصل کیا۔روس کے بادشاہ پیٹر کے دور میں 1722 میں چیچنیا اور کئی ریاستیں حاصل کی گئیں۔قفقاژ کی ریاستییں روسی، ایرانی اور عثمانی سلطنتوں کے درمیان ہاتھ بدلی رہیں۔سنکیانگ منگولوں کے پاس رہا۔ترک دور میں طورفان اور کومول نے اس کو چنگ خاندان کا باجگزار بنا دیا۔انہیں چنگ کی حفاظت کی ضرورت تھی۔
سوال	بہت ہی عمدہ۔۔شکریہ ایک نکتہ بس۔۔۔ شریف حسین کے بعد حیدر آئے اور انہوں نے خود ہی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔"۔ " یہ حیدر پر آپ نظر ثانی کر لیجیے گا۔ شریف کو عبدالعزیز السعود نے شکست دی تھی۔1924 میں۔ بعد میں انہوں نے اپنے انتہا پسند اخوان ساتھیوں فیصل الدویش وغیرہ کو شکست دی اور سعودی عرب کے نام سے 23 ستمبر 1932 میں اپنی حکومت کا اعلان کیا۔ اسی انتہا پسند اخوان کے ایک بندے نے 1979 میں خانہ کعبہ پر قبضہ کر کے مہدی کی آمد کا اعلان کر دیا تھا۔۔۔ شریف حسین کو انگریزوں نے اکاموڈیٹ کیا۔اس کا ایک لڑکا فیصل(جو لارنس آف عریبیا فلم میں بہت متحرک ہے) عراق کا وزیراعظم بنایا گیا اور بعد میں قتل ہوا۔۔دوسرا عبداللہ ٹرانس جورڈن کا حکمران بنایا گیا جو علاقہ اب اردن کہلاتا ہے۔۔ہمارے زمانے کے مشہور اردن کے شاہ حسین اور موجودہ بادشاہ کی یہ فیملی ہے۔ یہ لوگ ہاشمی ہیں۔شریف آف مکہ حضور اکرم کے جد امجد عبد مناف کی اولاد سے تھا۔۔

جواب	سعودی عرب کی تاریخ کے بارے میں پہلے لکھا ہوا ایک مضمون https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/1934565013312765/
سوال	ہمارے ملک میں ایک مضبوط ترک لابی ہے۔جو ترکی کو ایک رومانی ملک بناکر پیش کرتا ہے۔۔گوری چمڑی کے دیتے ہماری عوام سفید رنگ کی ترک خواتین دیکھ کر انکے خیرواہ بنتے ہیں۔ عثمانی عربوں پر اپنی شیخی بگاڑتے رہے۔یا کمزور یورپی اقوام پر لشکر کشی کرتے رہے۔مگر جب طاقتور سے سامنا ہوا تو پیٹھ دکھانے میں دیر نہیں کی
جواب	صفویوں کو تو 1590 میں شکستِ فاش ہوئی تھی۔قسطنطیہ کے معاہدے کے تحت جارجیا، ریوان اور حتیٰ کہ صفویوں کا دارالحکومت تبریز بھی عثمانیوں کے پاس چلا گیا تھا۔روس کو تو کئی بار بری شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اگر آپ کو کسی وجہ سے ترک پسند نہیں تو آپ کی مرضی لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تاریخ سے ہی انکار کر دیا جائے۔اپنے عروج میں ترک دنیا کی نمبر ایک سپر پاور تھے۔
سوال	آپ کا کمنٹ جناب وہارا کی انتہائی خوبصورت اہم پوسٹس کو اپنے معنی دینے کی کوشش کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔۔افسوس۔۔۔ پھر جب آپ نے صفویوں کو شکست نہ دینے والی بات کی تو سلطان سلیم کی روح آپ پر ہنس رہی ہو گی۔۔جنگ خالدران کا نام شاید سنا ہو گا آپ نے۔۔۔اسماعیل صفوی کی فوج کا صفایا ہو گیا تھا۔
جواب	"مجھے ترکوں سے یا عثمانیوں سے کوئی بغض نہیں،" ٹھیک "کیا صفوی یا زار روس کو ختم کر سکے ؟" کیا یہ واقعی سنجیدہ تبصرہ ہے؟؟ دنیا میں کونسی ایسی طاقت کبھی بھی رہی ہے جس نے تمام دنیا کی ہر سلطنت کو ختم کر دیا تھا اپنے ذاتی بغض و عناد ضرور رکھئے۔اس کے لئے تاریخ کی ٹانگیں اور بازو توڑنے کی ضرورت بالکل بھی نہیں۔اتنے طویل عرصے تک اور اتنے بڑے علاقے پر حکمرانی کرنا ایک شاندار کامیابی تھی۔علاقہ تو منگولوں نے اس سے زیادہ فتح کیا تھا لیکن بہت جلد سلطنت ٹوٹ گئی۔عثمانیوں میں تو چھ سو سال میں صرف ایک ہی بار اندرونی بغاوت ہوئی تھی۔ ------------- اس کمنٹ سے اندازہ ہو رہا ہے کہ شاید اس سیریز میں عثمانیوں کے پندرہویں سے سترہویں صدی کے وقت کی تفصیل کو زیادہ لکھنے کی ضرورت تھی۔تاریخ میں صفوی، افغان اور مختلف منگول سلطنتیں تو ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھیں۔اتنی richہسٹری شاید روم کے علاوہ تاریخ میں کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔
سوال	Speen Khan اٹھارویں صدی عیسوی کے بعد عثمانی بس اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے تھے جیسا بھوٹان اپنا وجود رکھتا ہے۔ محض انگریزوں کو خوش کرنے کے لئے عثمانیوں نے 1857 جنگ آزادی کے موقع پر ایک بر صغیر کے مسلمانوں کے نام لکھا جو مسجدوں میں پڑھایا گیا کہ انگریزوں کے خلاف بغاوت کفر ہے جیسا کہ میں اوپر ذکر کر چکا ہوں، میڈل ایسٹ کے بدو عربوں پر ہر ناجائز حربہ استعمال کرکے ان پر حکومت کیا، دین مقدس اسلام کو اپنی حکومت کے لئے استعمال کیا۔یا یہ کہہ لے کہ عربوں پر حکومت دین مقدس کے نام کو استعمال کر کے کیا۔ Speen Khan جیسا کہ میں اوپر ذکر کر چکا ہوں، میڈل ایسٹ کے بدو عربوں پر ہر ناجائز حربہ استعمال کرکے ان پر حکومت کیا، دین مقدس اسلام کو اپنی

	حکومت کے لئے استعمال کیا۔یا یہ کہہ لے کہ عربوں پر حکومت دین مقدس کے نام کو استعمال کر کے کیا
جواب	تاریخ تو پھر یہ بھی بتائے گی کہ بھوٹان نے دوسری بلقان جنگ میں روس سے اردنہ کا علاقہ لے لیا تھا۔روس کو کریمیا کی جنگ میں بھی اپنے اتحادیوں کے ساتھ ملکر شکست دی تھی۔گریس کو 1897 میں تیس روز کی جنگ کے بعد شکست سے دوچار کیا تھا۔ اس سیریز کا مقصد کسی کے گن گانا نہیں تھا لیکن اگر اس سے کسی کو تاریخ کی غلط سمجھ آئی ہے تو پھر اس پر بہت افسوس ہے۔ اپنے آخری وقتوں میں بھی عثمانی عربوں، افغانیوں، ایرانیوں، ہندستانیوں سے زیادہ طاقتور تھے۔ باقی پچھلے دونوں کمنٹ ان کی سیاسی پالیسیوں کے بارے میں ہیں۔اس پر پھر الگ سے بات کی جا سکتی ہے۔
سوال	Speen Khan Lets agree to disagree
جواب	مجھے ابھی تک سمجھ ہی نہیں آ سکا کہ حقائق سے اختلاف کیوں ہے۔سیاسی معاملات میںagree to disagree کیا جا سکتا ہے لیکن بہت معذرت لیکن عثمانی سلطنت کو بھوٹان کہنا انتہائی مضحکہ خیز تبصرہ ہے۔
سوال	Speen Khan بھوٹان یوں کہا کہ آخری آیام میں عثمانی بے دست و پاہ ہو گئے تھے۔پہلی جنگ عظیم میں بھی عثمانیوں نے مجبوری کی حالت میں حصہ لیا۔
جواب	جی بہتر
سوال	**Speen Khan** 1799میں عثمانیوں نے ٹیپو سلطان کی مدد اسلئے نہیں کی کہ وہ انگریزوں سے مرعوب تھے یا انکو خفا نہیں کرنا چاہتے تھے
جواب	عثمانیوں کو ٹیپو سلطان کی مدد کیوں کرنی چاہیے تھی؟ عثمانی اس وقت فرانس سے حالتِ جنگ میں تھے۔جبکہ برطانیہ سے اتحاد تھا۔نپولین مصر پر حملہ آور تھا۔ ٹیپو سلطان کا اتحاد الٹ تھا۔ٹیپو سلطان کو عثمانی سلطان نے خط لکھا تھا کہ وہ اپنا اتحادی پارٹنر بدل لیں۔
سوال	**Speen Khan** پاٹنر کیسے بدلتا، انگریز میسوری علاقوں پر حملہ آور تھے۔۔۔مصر تو بعد میں خود عثمانیوں نے انگریزوں کو بنا لڑے دیا۔جیسا کوئی تحفہ ہو
جواب	اچھا
سوال	Speen Khan جرمن بادشاہ قیصر ویلہیم ایک کمال کی شخصیت تھی۔اگر فرانس اور انگریز پوری دنیا میں پھیلی اپنے کالونیوں سے لاکھوں فوجی بھرتی کرکے نہ لاتا تو آج فرانس اور انگریز کا نام لیوا کوئی نہ ہوتا۔پراشیا کی فوج نظم و ضبط اور گوس سٹیپنگ انتہائی شاندار اور اعلی معیار کا ہوا کرتا تھا۔۔ الغرض پہلی جنگ عظیم میں جرمن آخر تک لڑتے رہے۔اور یہ جنگ بھی اتحادیوں حیلے بہانوں اور سازشوں سے جیتی۔جرمنی میں کیمونسٹوں، مزدوروں اور جمہوریت پسندوں اور نچلی فوج سے بغاوت کراکر بغاوت کروائی گئی اور قیصر کو زبردستی اقتدار سے محروم ہونا پڑا
جواب	Attiq Rehman پیارے بھیا۔۔معذرت کے ساتھ۔۔ A little knowledge is a dangerous thing۔ پہلی بات تو یہ کہ کسی قوم کو عظیم اور کسی کو گھسیارا کہہ دینا غیر سنجیدہ مطالعہ تاریخ کا اظہار کرتا ہے۔قوموں پر وقتی عروج و زوال آیا کرتے ہیں۔آج کی سب سے گھسیارا قوم کبھی چنگیز خان کی قیادت میں دنیا کی عظیم ترین طاقت تھی۔ دوسری بات۔۔

کمنٹ میں قیصر ویلہیلم کی عظمت کا سن کر آنکھیں روشن ہوئں اور پھر1918 میں اس کی بابل سے زبردستی کی رخصتی کا سن کر دل بھر آیا۔۔ یہ قیصر ویلہیلم 2 تھا جس کی اوپر کمنٹ میں ویلہیلم کہہ کر بات کی گئ۔۔اپنے زمانے کا ٹرمپ اور بے وقوف ترین انسان۔ اصل یہ ہے کہ جو عظیم تھا وہ تو 1888 میں فوت ہو چکا تھا۔یعنی ویلہیلم 1۔۔۔اس کے زمانے میں بسمارک نے پیرس پر قبضہ کیا اور عظیم متحدہ جرمنی وجود میں آیا۔ 1888 میں قیصر فوت ہوا۔۔اسی سال اس کا جانشین بیٹا فریڈرک فوت ہو گیا۔ اور نکما پوتا ویلہیلم 2 بادشاہ بنا۔1888 کو اسی لیےyear of three Emperorsکہتے ہیں۔۔ ویلہیلم 2 کی سب سے پہلی بے وقوفی یہ کہ بسمارک کو کھڈے لائن لگا دیا۔بسمارک کی کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ اس نے ہمیشہ ایک ایک کر کے علاقوں کو ہڑپ کیا۔اور کبھی اپنے دشمنوں کو متحد نہ ہونے دیا۔۔لیکن ویلہیلم 2 نے سب کے ساتھ اکھٹی جنگ چھیڑ دی۔اور نتیجہ یہ نکلا کہ فوج فرانس کو بھی فتح نہ کر سکی اور پورے مغربی محاذ پر کئ سال stalemate چھایا رہا۔۔ اس " عظیم" قیصر کو بڑھکیں مارنے کا بڑا شوق تھا۔۔اس کے علاوہ اس کا کوئ کارنامہ ہے تو صرف یہ کہ جرمنی کو عبرت ناک شکست دلوا دی۔۔	

10-ترکی کا جنم۔ سلطنتِ عثمانیہ

ترک آزادی کی تحریک بہت نامساعد حالات میں لڑی گئی تھی۔ روس اور گریس کا ترک علاقوں پر دعویٰ تھا۔ کرد علاقوں کی آزادی طے کی جاچکی تھی۔ اتحادی افواج کا استبول پر قبضہ تھا۔ ترک سلطان اور حکومت عملاً اتحادیوں کے حکم کے پابند تھے۔ ترک فوج شکست کے زخم چاٹ رہی تھی۔ تھک چکی تھی۔ جنگ کے لیڈروں کو سزادی جاچکی تھی۔ اہم لیڈر مفرور تھے۔ جنگِ آزادی لڑنے والے ری پبلکن پیپلز پارٹی کے اہم راہنماؤں کو غیر حاصری میں سزائے موت سنائی جاچکی تھی۔ مرتد اور واجب القتل کا فتویٰ شیخ الاسلام کی طرف سے آچکا تھا۔ سیوریس کے معاہدے میں کئی علاقوں سے ترکی خود دستبردار ہو چکا تھا جبکہ گریس کی افواج مسلسل آگے بڑھ رہی تھیں۔ انقرہ سے اسی کلو میٹر دور تھیں۔ استنبول تک پہنچ رہی تھیں۔ یہ وہ حالات تھے جو مصطفٰی کمال کو ملے تھے جہاں سے انہوں نے ترک آزادی کو ماسٹر مائنڈ کیا۔

تھکے ہوئے فوجی جوانوں اور اناطولیہ کی آبادی کے ساتھ ملکر پہلے روسی مطالبات کو ماننے سے انکار کیا۔ کاظم کارابیکر کی قیادت میں 30 اکتوبر 1920 میں قارص کو روسی قبضے سے چھڑوالیا گیا۔ پیش قدمی جاری رکھی اور آرمینیا کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ یہ وہ فتوحات تھیں جن کے نتیجے میں جب ترکی کی سرحد بنی تو ترابزون، ارضِ روم، وان، تبلیس کے صوبے مشرقی ترکی کا حصہ بنے۔ اٹلی کی افواج کو نیشلسٹ آرمی کے حملوں کی وجہ سے 1921 میں ترکی چھوڑنا پڑا۔ فرانس کو اناطولیہ سے فوج نکالنا پڑی۔ فرانس شام مل جانے پر مطمئن تھا۔ گریس فوج کے خلاف ترک جنگِ آزادی 1921 اور 1922 میں چلتی رہی۔ اگست 1922 تک نیشلنسٹ آرمی گریک فوج کو پسپائی پر مجبور کر چکی تھی اور گریک ازمیر تک محدود رہ چکے تھے۔ 9 ستمبر کو نیشلنسٹ

آرمی ازمیر میں بھی داخل ہو گئی۔ گریک فوج کو اس سے دس روز بعد یہ شہر بھی چھوڑ دینا پڑا۔ سیورئیس کے معاہدے میں ترکی جس زمین سے دستبردار ہوا تھا، کوئی بھی وہ علاقہ حاصل نہیں کر سکا۔

برطانیہ کے ساتھ امن معاہدہ 11 اکتوبر کو طے ہوا۔ اس بار ترکی کی نمائندگی عصمت نے کی جو سلطان کے نہیں، قوم پرستوں کے نمائندہ تھے اور مغربی محاذ کے کمانڈر تھے۔ ایک مہینے بعد انقرہ میں اسمبلی کے اجلاس میں سلطان کا عہدہ ختم کر دیا گیا۔ سلطان مہمت ششم کو معزول کر دیا۔ چھ صدیوں بعد عثمانی سلطنت کا خاتمہ کر دیا گیا۔

خلیفہ کا عہدہ برقرار رہا۔ مہمت ششم کے کزن عبدالمجید کو خلیفہ بنا دیا گیا۔ طویل اور مشکل مذاکرات کے بعد لوزین کا معاہدہ 24 جولائی 1923 میں ہوا۔ ترکی کو اس معاہدے میں اپنی موجودہ سرحدیں مل گئیں۔ جنگی جرائم میں سزا یافتہ تمام ترک افسران اور عہدیداران کی سزائیں معاف ہو گئیں۔ ماضی کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ قوم پرست اپنی جدوجہد میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اکتوبر میں اتحادی افواج نے استنبول چھوڑ دیا۔ 13 اکتوبر کو انقرہ دارالحکومت قرار پایا اور 29 اکتوبر کو ری پبلک آف ترکی کی پیدائش ہوئی جس میں مصطفٰی کمال صدر بنے۔

سیورئیس کے ذلت آمیز امن معاہدے کو تسلیم نہ کر کے انتہائی مشکل حالات میں ڈرامائی اور طویل جدوجہد ترک تاریخ کا ایک یادگار باب ہے۔ ان برسوں کے سائے آج بھی ترکی اور یورپ میں بداعتمادی کی وجہ ہیں۔

ترک ری پبلک بن جانے کے چھ ماہ بعد خلافت کا عہدہ بھی ختم کر دیا گیا۔ شاہی خاندان کے 120 افراد کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اس پر ردِ عمل مصر، ہندوستان اور مشرقِ بعید سے بھی آیا۔ ہندوستان سے ایک وفد مصطفٰی کمال کے پاس آیا اور ان کو درخواست کی کہ وہ خود خلیفہ کا ٹائٹل خود اپنا لیں لیکن اس پر کان نہیں دھرے۔ امام یمن اور افغانستان کے بادشاہ کو خلیفہ بنانے کی تجویز آئی۔ جبکہ دوسری طرف معزول شدہ عبدالمجید کوشش کرتے رہے کہ ان کی اپنی خلافت جاری رہے۔ یہ بھی کوشش کی کہ حجاز کا علاقہ ان کے سپرد کر دیا جائے۔ لیکن حجاز کا یہ قرعہ نہ ان کے نام نکلا اور نہ شریفِ مکہ کے۔ حجاز سعود خاندان کے پاس آیا۔ عبدالمجید نے سوئٹزرلینڈ میں بطور خلیفہ دنیا کے مسلمان لیڈروں کو اکٹھا ہونے کی دعوت دی۔ یہ کانفرنس نہ ہو سکی۔

جس طرح سلطان عبدالحمید دوئم نے ریاست کو اکٹھا کرنے کے لئے اسلام کی شناخت کو استعمال کیا تھا، ویسے ہی نئی شناخت "ترک" سے کی گئی۔ ترکی کے علاقے میں کرد، عرب، جارجین، ابخازی، لاض، البانوی، سرکیسین وغیرہ تھے۔ ترک النسل ہونا کام نہیں کرتا تھا۔ سب کو ترک شہریت کی شناخت کے گرد اکٹھا کرنے کے لئے آہنی ہاتھوں کو استعمال کیا گیا۔ اپوزیشن اور سیاسی مخالفت کو کچلا گیا۔ ترک ریاست سے وفاداری کی اقدار کی تخلیق

ہوئی۔ اس کا ایک نشانہ کرد بنے۔ سیورس کے معاہدے میں ان کو نیا ملک مل جانا تھا لیکن لوزین میں یہ منسوخ ہو چکا تھا۔ ترکوں اور کردوں کو باندھنے والے جو بانڈ تھے۔۔۔ سلطنت، اسلامی قوانین، خلافت وغیرہ کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ نئے ترکی میں سب ترک تھے۔ نسلی گروپ سے وفاداری کی جگہ نہیں تھی۔ ترک ریاست کے فرمان نے کردوں کو ترک بنا دیا تھا۔

ترکی کی فلاسفی کو سمجھنے میں یہ باریک نکتہ ہے جس کو مغربی مورخ سمجھ نہیں پاتے۔ عثمانی ریاست میں اقلیت مذہب کی بنیاد پر تھی۔ اور اس کے آخری برسوں میں اقلیت اچھا لفظ نہیں تھا۔ اقلیت اور اکثریت برابر شہری نہیں تھے۔ جدید ترک ریاست میں اکثریت اور اقلیت کا تصور نہیں۔ اقلیت کے لفظ کا استعمال ہی ہتک آمیز سمجھا جاتا ہے۔ تمام لوگ برابر ہیں۔ ترکی سب سے بالا قدر رہے۔ یورپی کردوں کو اقلیت قرار دینے پر زور دیتے ہیں۔ ترکوں کے لئے یہ لفظ، خواہ مذہبی حوالے سے استعمال کیا جائے یا نسلی حوالے سے، برابری کی اس بنیادی قدر کی خلاف ورزی ہے۔ کرد اقلیت کا تصور ترکی میں ناقابلِ فہم ہے۔ تمام لوگ ترک ہیں۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

کردستان میں شورشیں جاری رہی ہیں۔ کرد زبان کی پبلک نمائش پر پابندی ہے۔ تعلیم صرف ترکی زبان میں دی جا سکتی ہے جس کی وجہ سے کرد تعلیم میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ کردستان کا لفظ ممنوع ہے۔ نقشوں میں یہ علاقہ الگ سے دکھانا ممنوع ہے۔

ترکی کے بننے کے بعد طرزِ حکومت آمرانہ رہا۔ تحریکِ آزادی کے نامساعد حالات نے ایک بڑے ہیرو کو جنم دیا تھا۔ اور بڑے ہیرو عام طور پر جبر و استبداد کو جنم دیتے ہیں۔ مصطفیٰ کمال نے خلیفہ کا ٹائٹل تو نہیں لیا لیکن طریقہ وہی شخصی آمریت والا تھا۔ اپوزیشن کو سختی سے کچلنا اور یکطرفہ فیصلے کرنا ان کا سٹائل رہا۔ بڑے فیصلے کئے گئے۔ کئی ناگزیر، کئی مفید، کئی بے معنی، کئی قابلِ اعتراض۔ پھندنے والی ترکی ٹوپی ممنوع قرار پائی۔ اس کی جگہ ہیٹ نے لی۔ ہجری کیلنڈر کا استعمال ترک کر دیا گیا۔ درویش خانقاہیں، مزار، مقبرے بند کر دئے گئے۔ گھڑی میں چوبیس گھنٹے والا سسٹم اپنا لیا گیا۔ سوئٹزرلینڈ کا سول کوڈ اپنایا گیا۔ خواتین کے حقوق کے بارے میں اہم فیصلے ہوئے۔ پریس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ کمیونسٹ اور مذہبی اخبارات بند کر دئے گئے۔ سلطان عبدالحمید دوئم کے سٹائل کی سنسرشپ کی گئی۔ 1925 میں اپوزیشن جماعتوں پر پابندی لگا دی گئی۔ اپوزیشن کے اراکین پر قتل کے مقدمات بنائے گئے۔

ترکی کی مغرب میں لکھی اور ترکوں کی لکھی تاریخ عام طور پر نئے ترکی میں کئے گئے جبر و استبداد کو نظر انداز کرتی ہے۔ کمال ازم ایسا لفظ ہے جس کے گرد کئی دہائیوں تک ترک سیاست گھومتی رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جنگِ آزادی میں ان کا کردار غیر معمولی رہا لیکن سیاست میں وہ کسی کرشماتی لیڈر کی طرح شخصی ڈکٹیٹرشپ پر یقین رکھنے والے تھے۔

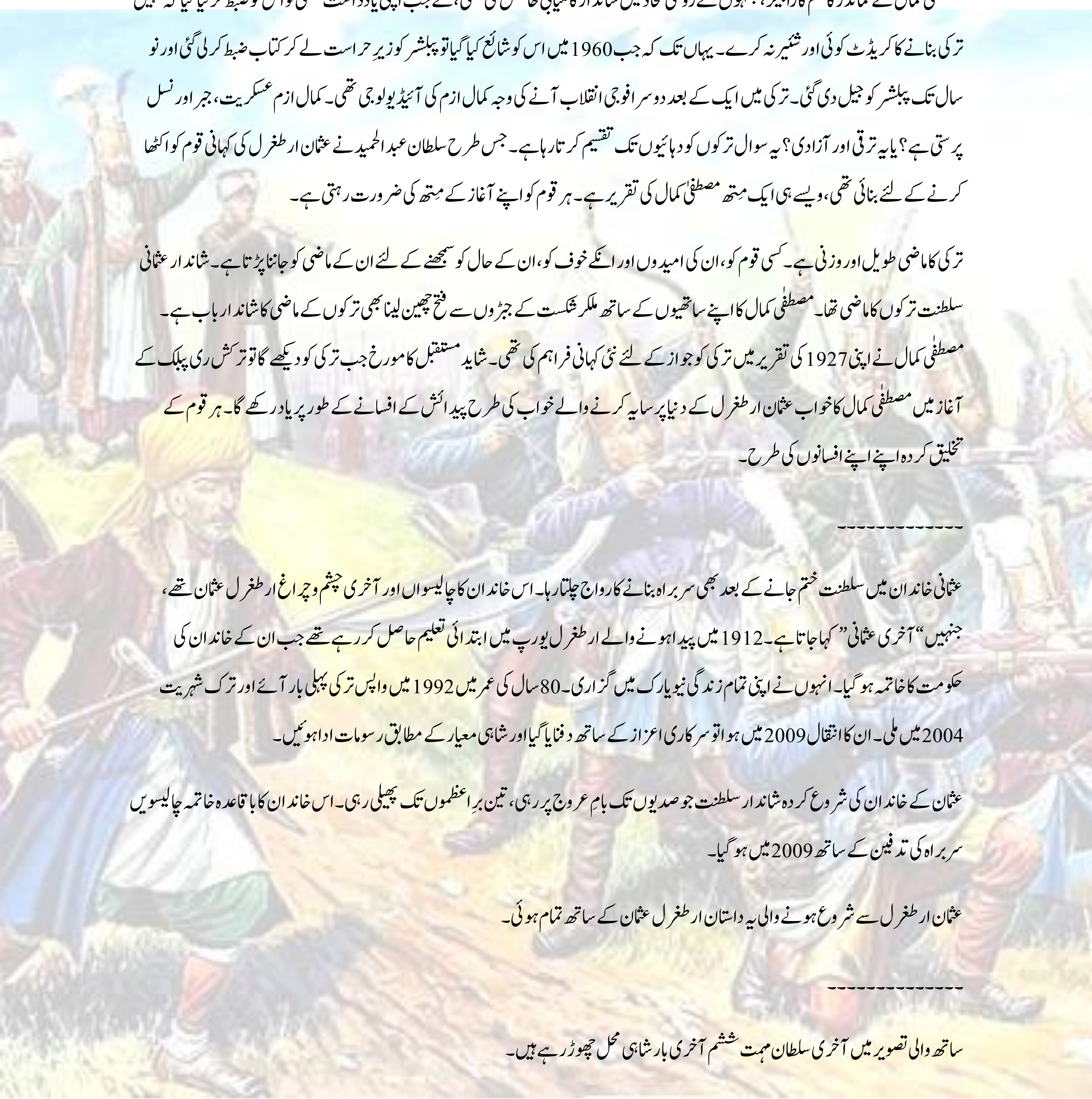

مصطفٰی کمال کے کمانڈر کاظم کارابیکر، جنہوں نے روسی محاذ میں شاندار کامیابی حاصل کی تھی، نے جب اپنی یادداشت لکھی تو اس کو ضبط کر لیا گیا کہ کہیں ترکی بنانے کا کریڈٹ کوئی اور شئیر نہ کرے۔ یہاں تک کہ جب 1960 میں اس کو شائع کیا گیا تو پبلشر کو زیرِ حراست لے کر کتاب ضبط کر لی گئی اور نو سال تک پبلشر کو جیل دی گئی۔ ترکی میں ایک کے بعد دوسرا فوجی انقلاب آنے کی وجہ کمال ازم کی آئیڈیولوجی تھی۔ کمال ازم عسکریت، جبر اور نسل پرستی ہے؟ یا یہ ترقی اور آزادی؟ یہ سوال ترکوں کو دہائیوں تک تقسیم کرتا رہا ہے۔ جس طرح سلطان عبدالحمید نے عثمان ارطغرل کی کہانی قوم کو اکٹھا کرنے کے لئے بنائی تھی، ویسے ہی ایک مِتھ مصطفٰی کمال کی تقریر ہے۔ ہر قوم کو اپنے آغاز کے مِتھ کی ضرورت رہتی ہے۔

ترکی کا ماضی طویل اور وزنی ہے۔ کسی قوم کو، ان کی امیدوں اور انکے خوف کو، ان کے حال کو سمجھنے کے لئے ان کے ماضی کو جاننا پڑتا ہے۔ شاندار عثمانی سلطنت ترکوں کا ماضی تھا۔ مصطفٰی کمال کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ ملکر شکست کے جبڑوں سے فتح چھین لینا بھی ترکوں کے ماضی کا شاندار باب ہے۔ مصطفٰی کمال نے اپنی 1927 کی تقریر میں ترکی کو جواز کے لئے نئی کہانی فراہم کی تھی۔ شاید مستقبل کا مورخ جب ترکی کو دیکھے گا تو ترکش ری پبلک کے آغاز میں مصطفٰی کمال کا خواب عثمان ارطغرل کے دنیا پر سایہ کرنے والے خواب کی طرح پیدائش کے افسانے کے طور پر یاد رکھے گا۔ ہر قوم کے تخلیق کردہ اپنے اپنے افسانوں کی طرح۔

\-------------

عثمانی خاندان میں سلطنت ختم جانے کے بعد بھی سربراہ بنانے کا رواج چلتا رہا۔ اس خاندان کا چالیسواں اور آخری چشم و چراغ ارطغرل عثمان تھے، جنہیں "آخری عثمانی" کہا جاتا ہے۔ 1912 میں پیدا ہونے والے ارطغرل یورپ میں ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے جب ان کے خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ انہوں نے اپنی تمام زندگی نیویارک میں گزاری۔ 80 سال کی عمر میں 1992 میں واپس ترکی پہلی بار آئے اور ترک شہریت 2004 میں ملی۔ ان کا انتقال 2009 میں ہوا تو سرکاری اعزاز کے ساتھ دفنایا گیا اور شاہی معیار کے مطابق رسومات ادا ہوئیں۔

عثمان کے خاندان کی شروع کردہ شاندار سلطنت جو صدیوں تک بامِ عروج پر رہی، تین برِاعظموں تک پھیلی رہی۔ اس خاندان کا باقاعدہ خاتمہ چالیسویں سربراہ کی تدفین کے ساتھ 2009 میں ہو گیا۔

عثمان ارطغرل سے شروع ہونے والی یہ داستان ارطغرل عثمان کے ساتھ تمام ہوئی۔

\-------------

ساتھ والی تصویر میں آخری سلطان مہمت ششم آخری بار شاہی محل چھوڑ رہے ہیں۔

سوال	زاہد علی سر آپ یہ سب معلومات کہاں سے دیکھتے ہیں
جواب	یہ سب تو عام معلومات ہے۔تحریر ممیں صرف اس کو ترتیب میں جوڑ دیا ہے
سوال	زاہد علی نہیں مطلب اگر کوئی سائنسی آرٹیکل بھی ہو مثلاً جین پر آپکی
جواب	جین کے سلسلے کے آخر میں اس کا ریفرنس دیا تھا کہ اس کا مواد کہاں سے لیا گیا تھا۔اس والی سیریز کا بیشتر حصہ دو کتابوں سے ہے۔عثمانز ڈریم اور لارڈ آف ہورائزن۔
سوال	جب میں یہ پڑھتا ہوں کہ کیسے سلطان کے غلط فیصلوں کی وجہ سے ترکی ایک مقبوضہ ریاست بنتے بنتے رہ گیا تو پھر قوم پرستوں کی طرف سے سلطان اور خلافت کے خلاف نفرت سمجھ میں آ جاتی ہے۔
جواب	اگرچہ عثمانی اپنے کچھ سٹرکچرل نقائص اور اصلاحات کی سست روی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے لیکن پھر بھی اگر جنگِ عظیم اول میں کودنے سے پرہیز کرتے تو اس قدر جلد سلطنت منہدم نہ ہوتی۔ جنگِ عظیم میں پارٹی بنا وہ غلط فیصلہ تھا جس نے ان کی قسمت پر مہر لگا دی تھی۔
سوال	ترکی میں خاصی تعداد میں عثمانی ہونگے جیسے برصغیر میں مغل ہیں
جواب	بہت تعداد میں تو نہیں لیکن خاندان تو باقی ہے۔البتہ سربراہ چننے کی روایت ختم ہوگئی۔اس لئے ارطغرل عثمان کو آخری عثمانی کہا جاتا ہے۔ان کے بارے میںhttps://en.wikipedia.org/wiki/Ertu%C4%9Frul_Osman

11-پاکستان اور ترکی۔ سلطنتِ عثمانیہ

ہندوستان کے ساتھ عثمانی سلطنت کے زیادہ روابط نہیں رہے لیکن ہندوستان کے مسلمانوں میں عثمانی خلافت کا احترام پایا جاتا تھا۔ جب برطانوی برِصغیر آئے تو عثمانی اور برطانوی اتحادی تھے۔ جب ملکہ وکٹوریا کا اتحاد کا معاہدہ سلطان عبدالعزیز کے ساتھ ہوا تو سلطان نے اسے مسلمانوں اور پروٹسٹنٹ کا کیتھولک کے خلاف اتحاد کہا۔

انیسویں صدی میں ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک مرکز کی تلاش تھی۔ کالونیل دور میں یورپی طاقتیں ایک کے بعد دوسرے علاقے پر قبضہ کرتی جا رہی تھیں۔ اس صورت میں عثمانی خلافت ایک امید کا مرکز تھی۔ برٹش نے عثمانی خلافت کی اطاعت کے تصور کو سپورٹ کیا۔ 1798 میں ٹیپو سلطان کے ساتھ فرانسیسیوں کے خلاف اتحاد بنانے کے لئے سلطان سلیم سوئم کی طرف سے فرمان حاصل کیا گیا تھا۔ یہ نپولین کا دور تھا اور فرانس نے عثمانی سلطنت پر مصر میں حملہ کیا تھا۔ برٹش عثمانی اتحادی تھے۔ ٹیپو سلطان کو فرانسیسیوں کو چھوڑ کر برطانیہ سے اتحاد کرنے کے لئے خط 20 ستمبر 1798 کو لکھا گیا تھا۔ ٹیپو سلطان نے اسے توجہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ (یہ خط 1836 سے لندن میوزیم میں ریکارڈ کا حصہ ہے)۔ 1857 کی جنگِ آزادی میں سلطان عبدالمجید کی طرف سے فرمان حاصل کیا گیا کہ خلیفہ کی ہدایت کے مطابق ہند کے مسلمان تاجِ برطانیہ کے وفادار رہیں۔ یہ وہ وقت تھا جب کریمیا کی جنگ میں برطانیہ اور عثمانی اکٹھے ملکر روس کے خلاف لڑ رہے تھے۔ (حوالہ، سالار جنگ کی 1887 میں لکھی کتاب۔ "انیسویں صدی")۔

عثمانیوں نے ممبئی اور کلکتہ میں اپنے قونصلیٹ انیسویں صدی کے وسط میں کھولے۔ 1862 سے ہندوستان کی مساجد میں خلیفہ کے نام سے خطبے پڑھے جاتے تھے۔ یہ عقیدت انیسویں صدی کے آخر تک اپنے عروج پر تھی۔ ترک تحریکِ آزادی میں یہ عقیدت برقرار رہی اور مصطفیٰ کمال پاشا کو سپورٹ کیا جاتا رہا۔

کریمیا کی 1853 کی جنگ میں مسلمانوں نے ترکی کی مدد کے لئے چندہ اکٹھا کیا۔ روس کے خلاف جنگ 1877 کی جنگ میں ملکہ وکٹوریا سے درخواست کرنے پہنچے کہ برطانیہ عثمانیوں کی مدد کرے۔ عثمانی ہلالِ احمر کی مدد کی گئی۔ عثمانیوں کی طرف سے اس پر ہندوستان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے خط لکھے گئے۔

جب عثمانیوں نے 1897 کو گریس کو شکست دی تو اس پر ہندوستان میں جگہ جگہ جشن منایا گیا۔ جب 1911 میں اٹلی نے لیبیا پر حملہ کیا تو اٹلی کی ہر چیز کا بائیکاٹ کیا گیا۔ بلقان کی جنگ چھڑ جانے کے بعد عثمانیوں کے حق میں برٹش سرکار کے خلاف مظاہرے ہوئے۔ پہلی بار ہندوستان کی اشرافیہ کے عثمانی پاشاؤں سے براہِ راست تعلق قائم ہوئے۔

جب عثمانی سلطان عبدالحمید نے حجاز ریلوے پراجیکٹ شروع کیا تو یہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے ایک پر مسرت اعلان تھا۔ مصر، روس، مراکش، تیونس، الجزائر، جنوبی افریقہ، ایران، سنگاپور، جاوا، چین، امریکہ، قبرص، بلقان، برطانیہ، فرانس، جرمنی کے مسلمانوں کی طرف سے عطیات دئے گئے۔ عطیات اکٹھا کرنے میں سرِفہرست ہندوستانی مسلمان تھے۔

اگرچہ عثمانیوں کو فلسطین، شام اور عراق میں شکست سے دوچار کرنے والی برٹش فوج کا دو تہائی حصہ ہندوستانیوں پر مشتمل تھا۔ لیکن سیورِیس کے معاہدے اور یورپی افواج کے قبضے کے خلاف ہندوستان میں بڑی تحریک چلی جو مسلمانوں تک محدود نہیں تھی۔ گاندھی بھی اس تحریک میں شامل ہوئے۔

جنگِ عظیم ختم ہو جانے کے بعد بھی ہندوستانیوں کی دلچسپی اس میں برقرار رہی۔ یہ عین ممکن تھا کہ استنبول سے ترکوں کا انخلا کروا دیا جاتا۔ لیکن برطانوی اس معاملے میں اپنی کالونیل شہریوں کی حساسیت سے آگاہ تھے۔ ترکی پر قبضہ کرتی گریس فوج کی کھل کر حمایت نہ کرنے کی ایک وجہ برطانیہ کے لئے کالونیوں کی طرف سے آنے والا پریشر تھا۔ 8 جولائی 1921 کو کراچی میں خلافت کانفرس ہوئی جس میں مصطفیٰ کمال کی جنگِ آزادی اور انقرہ اسمبلی کی حمایت کی گئی۔ جنگ میں کامیابی کے بعد مصطفیٰ کمال کو مبارک دینے کے لئے برٹش انڈیا میں چلنے والی تحریکِ خلافت کا ایک وفد ترکی گیا۔

ہندوستان کے مسلمان اس بارے میں اتنے حساس کیوں تھے؟

آج سے سو سال پہلے کا دور مسلمانوں کے لئے بڑی مایوسی کا دور تھا۔ مسلمان اکثریت کا کوئی بھی علاقہ ایسا نہیں تھا جو آزاد اور خودمختار ہو۔ (مسلمانوں کی حالتِ زار پر حالی کے لکھے "پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے" کے شعر اس دور کے ہیں)۔ عثمانی سلطنت ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے امید کی علامت تھی۔ یہ آخری آزاد اور خودمختار مسلمان ریاست تھی۔

کالونیل دور ختم ہوا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا ایک حصہ پاکستان بنا۔ عثمانی سلطنت کی وراثت جدید ترکی کے حصے میں آئی۔ تعلقات کی گرمجوشی اور ایک دوسرے کی سپورٹ کا عنصر ہمیشہ برقرار رہا۔

پاکستان اور ترکی کے آپس کے تعلقات بین الاقوامی تعلقات کے حوالے سے انامولی ہیں۔ فاصلہ زیادہ ہے۔ ثقافت، معاشرت ایک سی نہیں۔ ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے۔ مذہبی اعتبار سے بھی اگرچہ دونوں مسلمان ہیں لیکن فرق بہت ہیں۔ (ترکی میں سیکولرازم ایک بنیادی قدر اور شناخت کا حصہ ہے، پاکستان میں ایسا نہیں)۔ بین الاقوامی سیاست میں مفادات ایک نہیں۔ (مثلاً، ترکی طالبان کی شدت سے مخالفت کرتا رہا ہے اور افغان خانہ جنگی میں پاکستان مخالف گروپس کو سپورٹ کرتا رہا ہے اور یہ محض خاموش مدد نہیں رہی)۔

کہتے ہیں کہ بین الاقوامی سیاست بے رحم مفادات کی سیاست ہے۔ لیکن فوجی آمریتوں سے جمہوری حکومتوں تک۔ مصطفیٰ کمال سے طیب اردوان تک ہر دور میں پاک ترک تعلقات یہ بتاتے ہیں کہ بین الاقوامی سیاست میں بھی صرف مفاد اور منطق ہی نہیں۔ کچھ تعلقات رومانس پر بھی ہوتے ہیں۔

سوال	سر بڑے احترام سے عرض ہے کہ آپ صاحب اگر مسلم سائنسدانوں کیبارے میں خالص معلومات رکھتے ہے تو انکی زندگی کے آخر میں پیش آنے والی کچھ مذہبی مشکلات یعنی ایجادات وغیرہ پر اپنے عقیدے ایمان سے بڑھ چڑھ کر بولنے پر انکوں ملی سزاؤں وغیرہ کیبارے میں تاریخی تحاریر لکھیں جو حقیقی ہو اس حوالے سے بہت سی کتب اور تحاریر پڑھی ہے لیکن مجھے حاصل کردہ معلومات میں ردوبدل کا سامنا پیش آرہا ہے جسکی وجہ سے صحیح اور حقیقی تاریخ کا چناؤ کرنا کافی مشکل ہے یہ بات گروپ میں پوسٹ کرنے والا تھا لیکن آپ صاحب کا تحریر ملا تو سوچا کمنٹ میں بتادوں اگر آپ پہلے لکھ چکے ہے تو کتاب/تحریر کا لنک کمنٹ کردیں عین نوازش ہوگی نوٹ..یہ کمنٹ صرف جناب وہارا سر کیلیئے ہے
جواب	مسلم سائنسدان تو اس وقت بھی بہت سے موجود ہیں۔اگر آپ کی مراد قرونِ وسطیٰ کے سائنسدانوں کے بارے میں ہے تو مجموعی طور پر تو معاشرے کی طرف سے حوصلہ افزائی ملی (ورنہ سائنس کی روایت نہ رہتی)۔البتہ کچھ قدامت پرست کئی سائنسدانوں کے خلاف رہے تھے۔ البیرونی نے اپنی کچھ تحریریں ایسے عناصر کے خلاف بھی لکھی ہیں۔ مثلاً اس بارے میں ایک بہترین کتاب pathfinders ہے ۔ جس میں اس سب کا بہت تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے ، اس دور کے بارے میں لکھی چند تحریریں ایک سائنسدان الرازی کے بارے میں لکھا گیا مضمون۔ https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/1850689341700333/ اسلام اور سائنس کی تاریخ پر https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/1814425938660007/ مامون الرشید پر https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/1811011689001432/

THE END